تزئین و آرائش - پاکستانی پوائنٹ

# آگ اور خون

boldromantionovels.pk

ایچ اقبال

# پیش لفظ

"آگ اور خون" کہانی ہے ان جانبازوں کی جو آزادیٔ وطن کی خاطر اپنی جان و مال اور اپنے اہل و عیال کو بھی داؤں پر لگا دیتے ہیں۔

یہ کہانی ہے ان جانثاروں کی جو جذبۂ آزادی سے سرشار ہوتے ہیں جو اقلیت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے سے کہیں بڑی اور برتر قوتوں سے ٹکرا کر اسکو پارہ پارہ کر دیتے ہیں جو ناموسِ وطن کی خاطر جارحیت پسند اور استعمار پرست قوتوں کو انکے ناپاک عزائم میں کامیاب نہیں ہونے دیتے۔

کامیابی کسی مقصد کے حصول کا نام نہیں ہے بلکہ کامیابی یہ ہے کہ کسی عظیم تر مقصد کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیا جائے۔ لیکن جب اجتماعی طور پر کسی مقصد کے لئے جد و جہد کی جاتی ہے تو عام طور پر وہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ چاہے شروع میں اس کا حصول کتنا ہی ناممکن اور مشکل نظر آئے۔ اس کی تازہ ترین مثال الجزائر کی ہے۔ اور لگاتار استعماری قوتوں کے خلاف محاذ آرائی کے لئے "کشمیر اور ویتنام" کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

یہ ناول اپنے اقبال صاحب نے نشۂ حریت سے مخمور ہو کر لکھا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو "سرخ تنظیم" اور موجودہ ناول کو کشمیر کی جد و جہد آزادی کا ایک باب سمجھ سکتے ہیں۔ کشمیر کے چالیس لاکھ حریت پسندوں کی جد و جہد انکے سامنے ہے۔ اور ہندو سامراجیت کے جارحانہ عزائم بھی۔ لیکن وہ دن دور نہیں جب ہندو سامراجیت بالآخر کشمیری جانبازوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے گی۔ اور آخر کار ایک صبح آزادیٔ کشمیر کا سورج طلوع ہو کر رہیگا۔

احمد سعید

سیکرٹ ایجنٹ میجر پرمود کا ایک مکمل ناول

گزشتہ شمارے میں آپ نے میجر پرمود کا ناول "سرخ تنظیم" پڑھا تھا
اسی شمارے میں جو ناولٹ شائع کیا جا رہا ہے وہ اس سے آگے کی روداد ہے

**دشمن کی سرزمین پر میجر پرمود کی جرأتوں کا کمال**

وہ جو ہر حال میں جینا جانتا ہے اس شخصیت کا کارنامہ

# آگ اور خون

ایچ اقبال

بحیرۂ فارس، بلگارنیہ کا جنوبی سمندر تھا۔ اُسے دنیا کے سب سے بڑے بحرِ اعظم کی حیثیت حاصل تھی۔ مشرق میں یہ ٹوہاک کے ساحل کے قریب سے گزرتا ہوا بحرِ کرنال سے جا ملتا تھا اور مغرب میں اس کی موجیں زاربنگا، کرازیلیا اور جم لینڈ کے سواحل سے ٹکراتی تھیں۔ اُس کے شمال میں کرجستان، بلگارنیہ، گلبار، راجیشیا اور ریمڈرش کے ساحلی علاقے بھی تھے۔



boldromanticnovels.pk

آج رات اُس بحرِ اعظم کے ایک حصّے میں چار جہاز اپنی منزل کی طرف رَواں دَواں تھے۔ اُن میں سے تین جہاز چھوٹے تھے۔ اُن کا شمار بلگارَوی بحریہ کے بہترین جنگی جہازوں میں ہوتا تھا۔ یہ تینوں ایک بہت بڑے جہاز کے دائیں بائیں اور پیچھے تھے۔ یہ بہت بڑا جہاز ایک سامان بردار جہاز تھا جو جدید ترین اسلحے سے لَدا ہوا تھا۔ اِس جہاز کے نیچے سمندر کی تہہ میں دو آبدوز کشتیاں بھی رَواں دَواں تھیں۔ ظاہر ہے کہ اِن آبدوز کشتیوں اور جنگی جہازوں کا فرض اس کے علاوہ کیا ہوگا کہ وہ اِس سامان بردار جہاز کی حفاظت کریں۔ یہ چاروں جہاز تیزی سے گلبار کے ساحل سے قریب ہوتے جارہے تھے۔

سامان بردار جہاز کے عرشے پر کھڑے ہوئے کیپٹن پرمود نے ریلنگ سے ہاتھ ہٹا کر گلے میں لٹکی ہوئی دُوربین سنبھالی اور اُسے آنکھوں سے لگا کر اُس سمت دیکھنے لگا جدھر یہ چاروں جہاز بڑھ رہے تھے۔

تاریکی، گھور تاریکی! روشنی کی ایک خفیف سی کرن بھی کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ خود ان جہازوں پر بھی ہر حصّے میں اندھیرا تھا۔ مطلع اَبر آلود ہونے کی وجہ سے سمندر نے بھی تاریکی کی چادر لپیٹ رکھی تھی اس لیے اس تاریک چادر پر پھسلتے ہوئے یہ چاروں جہاز بھی اندھیرے ہی کا ایک جزو بنے ہوئے تھے۔

لیکن قدرت کی طرف سے پیدا ہونے والی یہ تاریکی اس لحاظ سے اتفاقیہ نہیں تھی کہ بلگارَوی حکومت کو اس بات کا علم پہلے ہی سے تھا۔ محکمۂ موسمیات کے ماہرین نے موسم کے بارے میں جو پیش گوئی کی تھی اُسی کی روشنی میں اِس مہم کو ترتیب دیا گیا تھا۔

اس وقت گیارہ بجے تھے اور ماہرین موسمیات کا دعویٰ تھا کہ سمندر کے اِس حصّے میں آج تمام رات مطلع ابر آلود رہے گا۔

گزشتہ تین روز سے بلگارَوی حکومت کو موسم کی اِس تبدیلی کا انتظار تھا چنانچہ جیسے ہی مطلع ابر آلود ہوا یہ چاروں جہاز بلگارَوی ساحل سے روانہ ہوگئے۔

کیپٹن پرمود کو اس مہم میں ایک خاص مقصد کے تحت شامل کیا گیا تھا۔ کچھ دیر تک آنکھوں سے دُوربین لگائے رکھنے کے بعد پرمود نے دُوربین کو پھر گلے سے لٹکا لیا اور ریلنگ سے ہٹ کر ایک طرف چل پڑا۔ اُس کے وزنی فوجی جوتے عرشے پر بلند آہنگ پیدا کر رہے تھے۔ سیڑھیاں طے کر کے وہ نچلی منزل پر آیا، یہاں روشنی تھی۔ وہ ایک راہداری میں آگے بڑھنے لگا۔ اُس کے جسم پر فوجی وردی تھی جس میں وہ بے حد دلکش نظر آرہا تھا۔

سامنے سے جہاز کا سیکنڈ میٹ آتا دکھائی دیا۔ وہ پرمود کو دیکھ کر مسکرایا تھا۔ پرمود نے بھی اخلاقاً مسکرانا ضروری سمجھا۔ ایک دوسرے کے قریب پہنچ کر وہ دونوں رک گئے۔

"ہیلو کیپٹن!"

"ہیلو آفیسر!" پرمود نے کہا۔ "اب ہم اپنی منزل سے کتنے فاصلے پر ہیں؟"

"اتنے ہی فاصلے پر جو ایک گھنٹے میں طے ہو جائے گا۔ کیا آپ تیار ہیں؟"

"میں ایسے موقعوں پر ہمہ وقت تیار رہنے کا عادی ہوں آفیسر! میرا بھی یہی خیال تھا کہ بس ایک ڈیڑھ گھنٹہ رہ گیا ہے، اسی لیے میں اپنے کیبن میں جا رہا ہوں۔ پندرہ بیس منٹ لیٹوں گا اور دو سگریٹ پیوں گا۔ کافی دیر ہو گئی، مجھے اپنی محبوبہ سے ملے ہوئے۔"

"محبوبہ!" سیکنڈ میٹ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں!" پرمود مسکرایا۔ "سگریٹ بھی میری محبوبہ ہے۔ ویسے بعض لوگ سگریٹ کو مذکر بولتے ہیں۔ اگر آپ کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوتا ہے تو محبوبہ کی بجائے محبوب کہہ لیجیے۔"

سیکنڈ میٹ ہنستا ہوا آگے بڑھ گیا۔

اپنے کیبن میں آ کر اس نے جوتے اتارے اور بستر پر لیٹ کر سگریٹ جلائی۔ وہ ہلکے ہلکے کش لیتا رہا اور دھوئیں کے چھلے بنا بنا کر منہ سے اگلتا رہا۔ اس نے پے در پے دو سگریٹ پیے، پھر بستر چھوڑ دیا اور جوتے پہن کر کیبن سے نکل آیا۔ اب وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تمام انتظامات مکمل ہیں یا نہیں۔

ایک گھنٹے بعد وہ چاروں جہاز سرزمین گلیا سے کچھ فاصلے پر لنگر انداز تھے اور عرشے پر ریلنگ کے سہارے کھڑا ہوا پرمود دوربین آنکھوں سے لگائے ساحل کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اچانک ساحل پر ایک جگہ سبز رنگ کی روشنی جلتی اور بجھتی نظر آئی۔ پرمود غور سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ چند ثانیوں بعد وہ روشنی پھر جلی اور بجھ گئی۔ پرمود اس کی طرف دیکھتا رہا۔ دو منٹ وقفے کے بعد روشنی پھر جلی اور چند سیکنڈ کے وقفے سے تین مرتبہ ایسا ہوا۔

پرمود نے دوربین آنکھوں سے ہٹائی اور برابر میں کھڑے ہوئے جہاز کے فرسٹ میٹ سے بولا۔ "ٹھیک ہے! سگنل مل گیا۔"

پھر چند ہی منٹ بعد جہاز سے کشتیاں اترنے لگیں اور ان پر اسلحہ بار کیا جانے لگا۔

دو گھنٹے کے اندر اندر جہاز پر لدا ہوا تمام اسلحہ کشتیوں کے ذریعے ساحل پر پہنچا دیا گیا۔ وہاں پہلے ہی سے موجود آدمیوں نے وہ اسلحہ اٹھا اٹھا کر بیل گاڑیوں پر لادنا شروع کر دیا۔

بیل گاڑیاں ایک قطار میں کھڑی ہوئی تھیں اور ان گاڑیوں کے ساتھ جو لوگ پہلے ہی سے موجود تھے ان کی وضع قطع ایسی تھی کہ انہیں خانہ بدوش سمجھا جا سکتا تھا۔ ان لوگوں میں عورتیں بھی تھیں اور بچے بھی مگر جوان آدمیوں کے مقابلے میں ان کی تعداد بہت کم تھی۔ بیل گاڑیوں کی بناوٹ محراب نما تھی۔ ان کے عقبی حصے میں میلے کچیلے اور پھٹے پرانے پردے پڑے ہوئے تھے۔ تمام اسلحہ انہی کے پیچھے چھپایا گیا تھا۔

ایک گھنٹہ گزر گیا اور پھر بیلوں کے گلے میں لٹکی ہوئی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ قافلہ حرکت میں آ چکا تھا۔ تمام خانہ بدوش بھی انہی گاڑیوں پر سوار تھے مگر ان خانہ بدوشوں میں ایک جوان بھی ایسا نہیں تھا جس نے اپنے قریب ہی ایک ٹامی گن نہ چھپا رکھی ہو۔

پرمود سب سے آگے والی بیل گاڑی پر تھا اور اب اس کے جسم پر فوجی وردی نہیں تھی۔ ساحل پر آنے کے بعد اس نے بھی خانہ بدوشوں کا سا لباس پہن لیا تھا۔ اس کے برابر میں بیٹھا ہوا آدمی بیلوں کو ہانک رہا تھا۔ ان دونوں کے بیچ میں "دو" ٹامی گنیں رکھی تھیں جنہیں ایک میلے سے کپڑے سے ڈھک دیا گیا تھا۔

قافلہ بڑھتا رہا اور بیلوں کی گھنٹیاں بجتی رہیں۔

پو پھٹنے تک ان کا سفر بخیر و خوبی طے ہوتا رہا۔ ہلکی سی روشنی پھیلنے لگی تھی جب پرمود کے لباس میں چھپے ہوئے "ٹو زیرو ایم" کے ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ پرمود نے فوراً ٹرانسمیٹر نکال لیا۔

چند ثانیوں بعد ٹرانسمیٹر پر ایک آواز سنائی دی۔ "ہیلو۔۔۔۔ ڈی فورٹین!۔۔۔ ڈی تھری کالنگ۔۔۔"

"ڈی فورٹین اٹنڈنگ، اوور!" پرمود نے جواب دیا۔

"سرخ پہاڑیوں کے قریب فوجی گاڑیاں دیکھنے میں آئی ہیں۔" دوسری طرف سے اطلاع دی گئی۔ "یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہاں پر ان کی موجودگی کے معنی کیا ہوں گے!۔۔۔۔ اوور!"

"تھینک یو ڈی تھری!۔۔۔۔ اوور اینڈ آل!"

پرمود نے ٹرانسمیٹر لباس میں چھپا لینے کے بعد دو انگلیاں منہ میں ڈال کر زبان کے نیچے دبائیں، اور پھر فضا میں ایک تیز سیٹی کی آواز دور تک پھیلتی چلی گئی۔

قافلے کی سب سے پیچھے والی بیل گاڑی سے اس سیٹی کا جواب سیٹی سے دیا گیا اور اس طرح قافلے کے ہر فرد کو اس بات کی اطلاع مل گئی کہ خطرہ قریب ہے۔

لحظہ بہ لحظہ بڑھتی ہوئی روشنی شہنشاہ خاور کی آمد کا پتا دے رہی تھی۔ سرخ پہاڑیوں سے قافلے کا فاصلہ ایک ڈیڑھ میل کے

قریب تھا۔

پرمود نے اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر دایاں ہاتھ فضا میں بلند کرتے ہوئے تان لگائی "ہے۔۔۔۔ ہا۔۔۔ آ۔۔۔ آ۔۔۔ آ۔۔"

پرمود کی آواز بتدریج تیز ہوتی چلی گئی۔ یہ تان دراصل بنجاروں کے ایک مخصوص گیت کا آغاز تھی۔ پرمود نے بلند آواز میں گانا شروع کر دیا۔ اُس کی پُرسوز آواز فضا میں بکھرنے لگی اور پھر دُوسری بیل گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے لوگ اُس آواز سے آواز ملانے لگے۔ صبحِ صادق کی نرم نرم اور خوابناک سی روشنی میں گھنٹیوں کی آواز کے ساتھ کورس کی صورت میں گایا جانے والا یہ گیت ایک عجیب سا سماں باندھ رہا تھا۔

بیل گاڑیاں سُرخ پہاڑیوں کے علاقے میں داخل ہو گئیں۔ بنجاروں کا گیت فضا میں گونج رہا۔ عورتوں اور مَردوں کی ان آوازوں میں پرمود کی آواز کو انفرادی حیثیت حاصل تھی۔ کچھ دیر بعد یہ قافلہ ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں کچھ خیمے نصب تھے۔ خیموں کے قریب ہی ملٹری ٹرک اور جیپیں بھی کھڑی تھیں۔

قافلے کی گھنٹیوں اور گانے کی آواز سُن کر تمام فوجی خیموں سے نکل آئے تھے۔ قافلہ اُن کے قریب ہی سے گزرا اور وہ قافلے کی عورتوں کو دیکھ کر فحش قسم کے اشارے کرنے لگے۔ وہ ایک دُوسرے سے کچھ کہہ کہہ کر قہقہے بھی لگا رہے تھے۔ پرمود نے اندازہ لگایا کہ وہ راجیشیائی فوج کے آدمی ہیں۔

گلبار کی کٹھ پتلی حکومت کی باگ ڈور راجیشیا ہی کے ہاتھ میں تھی اور اس اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے گلبار کے باشندوں کو آہستہ آہستہ فوج سے نکالا جا رہا تھا اور راجیشیائی فوج اُن کی جگہ کو پُر کرتی جا رہی تھی۔

پرمود اپنے ملک کا ایک ہوشیار سیکرٹ ایجنٹ تھا اور ایک سیکرٹ ایجنٹ کی نظریں عام آدمیوں سے کہیں زیادہ تیز ہوتی ہیں۔ اُس نے بھانپ لیا کہ اِن فوجیوں میں دو ایک ایسے بھی ہیں جن کی آنکھوں سے شبہہ جھانک رہا ہے۔

پرمود چوکنا ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ خطرہ اگر سر پر آ جائے تو اُسے کیا کرنا ہوگا! اُسے حکم تھا کہ وہ تمام اسلحہ دُشمن کے ہاتھوں میں ہرگز نہیں پہنچنا چاہیے۔ ایسا امکان پیدا ہو جانے کی صورت میں تمام اسلحہ تباہ کر دینے کے احکامات تھے۔

ہر بیل گاڑی چلانے والے کو بھی اس بات کا علم تھا۔ اُن میں سے ہر ایک کے پاس دو دو ٹائم بم تھے۔ خطرے کے وقت پرمود کا اشارہ ملتے ہی وہ لوگ اُن بموں میں صرف ایک منٹ بعد کا وقت لگا کر اسلحے میں چھپا دیتے اور خود اُن گاڑیوں سے دُور ہو جاتے۔

لیکن پرمود کے خیال میں ابھی خطرہ اتنا قریب نہیں آیا تھا کہ ایسا کیا جاتا۔

گیت فضا میں گونجتا رہا اور قافلہ آگے بڑھتا رہا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ لوگ ایک جنگل میں داخل ہو رہے تھے۔ دُوسروں نے تو اطمینان کی سانس لی مگر پرمود پوری طرح مطمئن نہیں تھا۔ فوجیوں میں سے اُن دو ایک کی نظریں رہ رہ کر اُس کے تصور میں اُبھر رہی تھیں اور اُس کے ذہن میں خطرے کا احساس کلبلا رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ بیل گاڑیاں خالی کر دی جائیں اور تمام اسلحہ وقتی طور پر کسی جگہ چھپا دیا جائے لیکن ایسی کوئی جگہ دکھائی نہیں دے رہی تھی جہاں اسلحہ چھپایا جاتا۔ اُس کی نظر جنگل میں اِدھر اُدھر بھٹکتی رہی۔

گیت کافی دیر پہلے ختم ہو چکا تھا' اِس لیے جنگل میں اب صرف بیل گاڑیوں کی گھنٹیاں گونج رہی تھیں۔

۱۶

کچھ عرصے پہلے مملکتِ گلبار پر شہنشاہیت تھی لیکن پھر ایک خونی انقلاب آیا اور شہنشاہیت پارہ پارہ ہو گئی۔ اِس خونی انقلاب میں راجیشیا کا ہاتھ تھا۔ اِسی ہاتھ نے اِس نام نہاد جمہوری نظام کی بنیاد رکھی تھی۔ گلبار کی کٹھ پتلی حکومت راجیشیا کے اشاروں پر ناچنے لگی۔ عوام اِس تبدیلی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اُنھیں اپنے شہنشاہ سے محبت تھی۔ وہ سامراجی جارحیت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے لیکن اِس عوامی بغاوت کو وحشیانہ اقدامات کر کے دبا دیا گیا۔ گلیوں میں پانی کی طرح خون بہہ رہا تھا۔ وہ آگ جو یکبارگی بھڑکی تھی یکلخت بجھ گئی لیکن راکھ میں دبی ہوئی چنگاریاں اندر ہی اندر سُلگتی رہیں۔ گلبار کے پڑھے لکھے محبِ وطن طبقے نے ایک منصوبے کے تحت کام شروع کیا۔ سُرخ تنظیم کی بنیاد رکھی گئی اور گلبار کی کٹھ پتلی حکومت کے پرخچے اُڑانے کے لیے وسیع پیمانے پر تیاریوں کا آغاز ہوا لیکن یہ بین الملکی تنظیم زیادہ عرصے تک مکمل تاریکی میں نہ رہ سکی۔ گلبار کی کٹھ پتلی حکومت کو اُس کا پتا چل گیا۔ اُسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے اقدامات کیے جانے لگے۔ اندھا دُھند گرفتاریاں شروع ہو گئیں لیکن سُرخ تنظیم کو ختم نہ کیا جا سکا۔ محبِ وطن لوگوں کی یہ جماعت اندر ہی اندر اپنی تیاریوں میں مصروف رہی۔

دُوسری طرف بلگارنوی حکومت بھی گلبار پر راجیشیائی تسلط کو تشویش کی نظر سے دیکھ رہی تھی اور یہ ناگزیر بھی تھا۔

گلبار پر راجیشیائی تسلط کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ اِس طرح بلگارنیہ کے لیے زیادہ خطرات پیدا کیے جا سکیں۔

بلگارنیہ اور راجیشیا کی جغرافیائی حیثیت ایسی تھی کہ جنگ چھڑ جانے پر راجیشیائی بحری فوج کو بلگارنیہ کے سواحل تک پہنچنے کے لیے

سمندر میں ایک لمبا چکر کاٹنا پڑتا لیکن گلبار پر قبضہ ہو جانے کے بعد اُس کے بحری جہازوں کے لیے بلگاریہ تک پہنچنا بہت آسان تھا کیونکہ گلبار کا ساحل بلگاریہ کے ساحل سے ملا ہوا تھا۔

اِس خطرے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بلگارنوی حکومت، اِس بات کو ضروری سمجھتی تھی کہ گلبار سے راجیشیائی تسلط ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ سُرخ تنظیم سے رابطہ قائم کر کے اُسے امداد پہنچائی جائے تاکہ وہ لوگ راجیشیائی جارحیت سے ٹکراتے وقت کافی مضبوط ہوں۔

یہ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ سُرخ تنظیم کا ہیڈ کوارٹر کہاں ہے! اِس لیے کیپٹن پرمود کو گلبار بھیجا گیا۔ وہاں پہنچ کر پرمود نے بے شمار خطرات کا مقابلہ کیا اور کسی نہ کسی طرح سُرخ تنظیم تک رسائی حاصل کر ہی لی اور گلبار کے مشرقی حصے میں سُرخ تنظیم کے سربراہ جنرل شیرازی سے مل کر اُسے یقین دلایا کہ پرمود کا ملک سُرخ تنظیم کی مدد کرنا چاہتا ہے۔

ضروری تھا کہ سُرخ تنظیم کا کوئی نمائندہ بلگاریہ جا کر گفت و شنید کے تمام مراحل طے کرتا، لہٰذا جنرل شیرازی نے ایک آدمی کرنل اجمل کو پرمود کے ساتھ کر دیا اور وہ دونوں موت کی راہوں سے گزرتے ہوئے بلگاریہ پہنچ گئے۔

اسی دوران میں جب پرمود گلبار میں تھا سُرخ تنظیم اپنے انتظامات مکمل کر لینے کے بعد کھل کر میدان میں آ گئی تھی۔ حکومت کی بنیادیں ہلا دینے کے لیے ہنگامے شروع کر دیے گئے اور اِس مرتبہ یہ ہنگامے اتنے منظم پیمانے پر شروع ہوئے تھے کہ کٹھ پتلی حکومت اِنھیں روک نہ سکی۔ اُس وقت سے اب تک گلبار میں آگ اور خون کا یہ کھیل برابر کھیلا جا رہا تھا۔

اُدھر بلگارنوی حکام نے کرنل اجمل سے گفت و شنید کر کے اُسے واپس گلبار بھیج دیا تھا اور اُس کے فوراً بعد ہی سُرخ تنظیم کے لیے بلگارنوی امداد گلبار پہنچنا شروع ہو گئی۔

ایک ماہ کے اندر اندر اسلحے سے لدے ہوئے تین جہاز گلبار پہنچ چکے تھے اور یہ چوتھا جہاز تھا جس کا اسلحہ رات کی تاریکی میں گلبار کے ساحل پر اُترا۔

یہی طریقۂ کار گزشتہ تین مرتبہ بھی آزمایا گیا تھا اور تمام اسلحہ سُرخ تنظیم کے ہیڈ کوارٹر پہنچ چکا تھا۔

گزشتہ تینوں جہازوں کے ساتھ بھی بلگارنوی سیکرٹ سروس کے ڈی سیکشن کا ایک ایک آدمی بھیجا گیا تھا اور اُن میں سے ہر ایک کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ خطرہ پیدا ہو جانے پر وہ تمام اسلحہ برباد کر دیا جائے۔ اُسے کسی قیمت پر بھی دُشمن کے ہاتھ نہیں لگنا چاہیے تھا اور یہی ہدایت پرمود کو بھی کی گئی تھی۔

اُن چاروں جہازوں کے ساتھ ڈی ایجنٹس کو بھیجنے کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ وہ اسلحے کو حفاظت کے ساتھ سُرخ تنظیم کے ہیڈ کوارٹر تک پہنچانے میں مدد دیں۔ اِس کے علاوہ کچھ دُوسرے مقاصد بھی تھے۔

اِن چار ایجنٹس کے کوڈ نمبر، ڈی ایلیون، ڈی فائیو، ڈی تھری اور ڈی فور رکھے تھے۔ کیپٹن پرمود ڈی فور تھا۔

ڈی تھری کو یہ کام سونپا گیا تھا کہ وہ اپنے جہاز کا اسلحہ سُرخ تنظیم کے ہیڈ کوارٹر تک پہنچانے میں مدد دینے کے بعد ساحل سمندر سے لے کر جنگل تک کے راستے پر کڑی نظر رکھے جہاں سے بیل گاڑیوں کو گزرنا تھا۔ ڈی تھری، گلبار آنے والے پہلے جہاز سے یہاں پہنچا تھا۔

اِس کے بعد والے دونوں جہازوں سے ڈی فائیو اور ڈی ایلیون آئے تھے اور انھیں بھی کوئی نہ کوئی کام سپرد کیا گیا تھا جن کے بارے میں پرمود کو کسی قسم کی معلومات حاصل نہیں تھیں۔ صرف ڈی تھری اور اُس کے فرائض کے بارے میں معلوم تھا۔

دوپہر کے قریب جب بیل گاڑیاں ایک جگہ رُکی ہوئی تھیں اور سب کھانا کھانے میں مشغول تھے، پرمود نے ٹرانسمیٹر پر دوسری مرتبہ ڈی تھری کی کال موصول کی۔

دوسری طرف سے ڈی تھری جلدی جلدی کہہ رہا تھا "خطرہ، ڈی فور! خطرہ تم لوگوں کی طرف بڑھ رہا ہے۔ جس فوجی کیمپ سے تم لوگ گزرے تھے وہاں سے ابھی کئی گاڑیاں تم لوگوں کی طرف روانہ ہوئی ہیں۔ بیل گاڑیوں کی تلاشی یقیناً لی جائے گی۔ میں نے چھپ کر دو ایک سپاہیوں کی باتیں سن لی تھیں۔ اِن باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُنھوں نے وائرلیس پر اپنے ہیڈ کوارٹر کو تم لوگوں کے قافلے کے بارے میں اطلاع دی تھی۔ وہاں سے اُنھیں حکم ملا ہے کہ گاڑیوں کی تلاشی لی جائے۔ غالباً تم لوگوں پر اسمگلر ہونے کا شک ہوا ہے اوور!"

"شکریہ ڈی تھری!" پرمود نے ٹرانسمیٹر میں کہا۔ "مجھے تمھاری طرف سے یہ اطلاع ملنے کی توقع تھی۔ اچھا! اوور اینڈ آل!"

پرمود نے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر دیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک معنی خیز لکیر کھنچ گئی تھی۔ بشرے سے کسی قسم کی گھبراہٹ کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ اُس نے قافلے کے تمام افراد کو بتایا کہ وہ عنقریب فوج کے نرغے میں ہوں گے۔

"حیرت ہے" ایک آدمی نے حیرت زدہ لہجے میں پرمود سے کہا۔ "آخر آپ کا خدشہ ٹھیک ہی ثابت ہوا۔ آپ نے کیسے سمجھ لیا تھا کہ ایسا ہو گا؟"

"میں نے اُن میں سے دو ایک کی آنکھوں میں شبہے کی جھلکیاں دیکھی تھیں۔ اگر اُنھیں شبہہ نہ ہوتا تو وہ اپنے ہیڈ کوارٹر کو ہمارے بارے میں کوئی اطلاع نہ دیتے۔ بہر حال، یہ ہوا بہت بُرا۔"

پرمود نے ایک سلاخ اُٹھائی اور ایک جھاڑی کے قریب کی زمین کھودنے

لگا۔ یہاں کی مٹی نرم تھی اس لیے ایک چھوٹا سا گڑھا کھودنے میں پانچ منٹ سے زیادہ نہ لگے۔ پرمود نے اپنا ٹرانسمیٹر اس گڑھے میں رکھ دیا اور پھر کچھ دور پڑا ہوا پتھر اٹھا لایا۔ اس پتھر کو اس طرح رکھا کہ گڑھا اس کے نیچے چھپ گیا۔ پھر وہ بڑے اطمینان سے اس پر بیٹھ کر چلم میں تمباکو بھرنے لگا۔ بنجارے کے روپ میں آجانے کے بعد اس نے سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ قافلے کے دوسرے افراد بھی، جو تمباکو کے عادی تھے، چلم ہی پی رہے تھے۔

آدھے گھنٹے بعد علمے فاصلے پر دھول اڑتی نظر آئی اور دو ایک ہی منٹ بعد اس دھول میں سے ملٹری کی گاڑیاں نمودار ہوئیں۔ وہ ایک قطار میں چلی آرہی تھیں لیکن قریب آتے آتے وہ اس طرح پھیل گئیں کہ قافلے کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیں۔

تمام "بنجارے" کھڑے ہو گئے مگر ان کے چہروں سے سراسیمگی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا، البتہ آنکھوں میں ایسے تاثرات تھے جیسے وہ ملٹری کے آنے کا مقصد جاننا چاہتے ہوں۔

گاڑیوں کے رکتے ہی ان میں سے ملٹری کے جوان کود کود کر باہر آنے لگے۔ ان سب کے ہاتھوں میں رائفلیں اور ٹامی گنیں تھیں جن کا رخ قافلے والوں کی طرف تھا۔

"تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو!" ان کے آفیسر نے گرج کر کہا۔

ہاتھ اٹھا دیے گئے لیکن پرمود نے احتجاجاً چیخ کر کہا۔ "ہم غریبوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

لیکن اس بات کا جواب دینے کی بجائے اسے ڈانٹ کر چپ کرا دیا گیا۔

چھ سات فوجی تو انھیں ٹامی گنوں کی زد میں لیے کھڑے رہے اور باقی نے بیل گاڑیوں کی تلاشی لینا شروع کی۔ یہ کام بیس منٹ تک رہا مگر انھیں کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جس کی بنجاروں کے پاس موجودگی حیرت انگیز ہوتی۔ بس وہی ٹوٹا پھوٹا سامان تھا جو بنجاروں کے پاس ہوتا ہی ہے۔ پھر ان لوگوں کے لباس کی تلاشی بھی لی گئی اور تھک ہار کر وہ لوگ اپنی گاڑیوں میں جا بیٹھے۔ انجن اسٹارٹ ہوئے، گاڑیاں حرکت میں آئیں، ان کا رخ اسی طرف کر دیا گیا جدھر سے وہ آئی تھیں اور پھر وہ نظروں سے دور ہوتی چلی گئیں۔

اب ان لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا اور پرمود کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک زہریلی سی لکیر کھنچ گئی۔

ایک جانب ان لوگوں سے کچھ فاصلے پر ایک بہت وسیع و عریض اور گہرا گڑھا تھا۔ جب قافلہ اس کے قریب سے گزر رہا تھا تو پرمود کی نظریں اس پر پڑی تھیں اور اس کو یوں محسوس ہوا تھا جیسے منہ مانگی مراد مل گئی ہو۔ اس نے قافلہ رکوا دیا اور سارا اسلحہ بیل گاڑیوں سے اتار اتار کر اس گڑھے میں بھر دیا گیا۔ پھر قرب و جوار کی جھاڑیاں اور

**اناڑی**

ایک مسلح ڈاکو نے ایک بینک کے خزانچی کی طرف ایک رقعہ کھسکا دیا، جس پر لکھا تھا "پچیس ہزار پونڈ کی رقم ایک لفافے میں رکھ کر مجھے دے دو! بڑے نوٹ نہ ہوں۔ اگر تم نے شور مچایا یا کسی سے کچھ کہنا چاہا تو میں تمھیں شوٹ کر دوں گا۔" خزانچی پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا۔ پھر اس نے کاغذ کے پرزے پر کچھ لکھا تھا اور پرزہ ڈاکو کی طرف بڑھا دیا۔ پرزے پر تحریر تھا "احمق اپنی ٹائی کی گرہ تو درست کر لو! تمھارے فوٹو لیے جا رہے ہیں۔"

گھاس پھوس نوچ نوچ کر گڑھے پر اس طرح پھیلا دی گئی تھیں کہ اسلحہ دکھائی نہ دے سکے۔

اس پیش بندی کو قافلے کے لوگوں نے پرمود کی وہمی طبیعت کا نمونہ سمجھا تھا لیکن اب؟... کیا وہ اب بھی پرمود کو وہمی انسان کہہ سکتے تھے۔

"حیرت ہے جناب!... آخر آپ نے کیسے سمجھ لیا تھا؟" ایک آدمی نے پرمود سے اظہار حیرت کیا۔

"میں کہہ چکا ہوں کہ میں نے ان میں سے چند ایک کی نظروں میں شبہات کی جھلکیاں دیکھی تھیں اس لیے محتاط رہنا چاہتا تھا۔ میرے خدشات بے بنیاد بھی ثابت ہو سکتے تھے لیکن میں اتنے اہم معاملے میں احتیاط برتنا ضروری سمجھتا ہوں۔"

"ہم بلگارنوی حکومت کے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے آپ جیسے محتاط اور ذہین آدمی کو ہماری ہمراہی کے لیے بھیجا۔"

پرمود ہنس کر اس طرف دیکھنے لگا جدھر فوجی گاڑیاں گئی تھیں۔

"کیا اب ہم لوگ وہ اسلحہ گڑھے سے نکال لیں؟"

"نہیں۔" پرمود کے لہجے میں سختی تھی۔ "میں ابھی پوری طرح مطمئن نہیں ہوں۔"

"کیوں!"

"ہو سکتا ہے انھوں نے اپنے کچھ جاسوس قرب و جوار میں چھوڑ دیے ہوں۔" پرمود نے جواب دیا۔ "جب تک اس طرف سے پورا اطمینان نہ ہو جائے، میں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

"ہوں۔" اس آدمی نے اپنے سر کو اثباتی حرکت دی۔ "لیکن ہم اس بات کا پتا کیسے چلا سکیں گے کہ قرب و جوار میں دشمن کے جاسوس ہیں یا نہیں؟"

"میں اس کا پتا لگا لوں گا۔" پرمود نے کہا۔ "لیکن رات کی تاریکی میں۔"

"تو ہم رات تک یہیں رکیں گے؟"

"رُکنا تو اُس وقت تک پڑے گا جب تک پورا اطمینان حاصل نہ ہو جائے۔" پرمود نے جواب دے کر گڑھے میں سے اپنا ٹرانسمیٹر نکالا اور اُس پر ڈی تھری سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔

فوراً ہی دوسری طرف سے آواز آئی "ڈی تھری... اوور۔"

پرمود بولا "ملٹری ہماری گاڑیوں کی تلاشی لے کر واپس جا چکی ہے۔ اب یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ انھوں نے ہمارے قرب و جوار میں کوئی جاسوس تو نہیں چھوڑا ہے... اوور۔"

"یہ پتا لگانا بہت مشکل ہے لیکن میں کوشش کروں گا۔ تم نے ابھی بتایا ہے کہ بیل گاڑیوں کی تلاشی لی گئی تھی۔ اسلحہ کہاں گیا... اوور۔"

"وہ محفوظ ہے... اوور اینڈ آل۔" پرمود نے رابطہ قطع کر دیا۔

شام ہوتے ہوتے ڈی تھری نے پرمود سے ٹرانسمیٹر پر دو مرتبہ رابطہ قائم کیا اور بتایا کہ وہ ابھی تک کچھ نہیں معلوم کر سکا۔

اندھیرا پھیل چکا تھا جب پرمود نے تھوڑا سا کھانا کھایا اور پھر اسی گڑھے میں رینگ گیا جس میں اسلحہ چھپایا گیا تھا۔ اسلحے کے ساتھ ہی پرمود نے اپنا سیاہ رنگ کا چست لباس بھی وہیں چھپا دیا تھا۔

پانچ سات منٹ بعد جب پرمود گڑھے میں سے نکلا تو اُس کے جسم پر بنجاروں کے کپڑے نہیں تھے۔ یہ سیاہ رنگ کا لباس تو اتنا چست تھا کہ اُس کے جسم سے چپک کر رہ گیا تھا۔ بادی النظر میں تو وہ برہنہ ہی معلوم ہوتا۔ کمر پر پلاسٹک کی ایک بیلٹ تھی اور اُس کا رنگ بھی سیاہ تھا۔ اسی بیلٹ سے دائیں بائیں ریوالوروں کے ہولسٹر لٹکے ہوئے تھے۔ پلاسٹک کی بیلٹ میں چاروں طرف کارتوس لگے ہوئے تھے۔

چہرے پر بھی چست ہی قسم کا ایک غلاف منڈھا ہوا تھا۔ وہ بھی چہرے سے چپک کر رہ گیا تھا۔ آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے۔ ہونٹوں کے مقام کا حصہ بھی کھلا ہوا تھا۔

اُس ہیئت میں پرمود اگر قافلے والوں کے سامنے چلا جاتا تو وہ لوگ شاید اُسے کسی دوسری دُنیا کی مخلوق سمجھ بیٹھتے لیکن وہ گڑھے سے نکل کر دوسری طرف رینگتا چلا گیا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ قرب و جوار میں دشمن کے جاسوس موجود ہیں یا نہیں!

اپنے اس مخصوص لباس میں اس مہم پر روانہ ہونے سے پرمود کا مقصد یہ تھا کہ اگر وہ دشمن کے جاسوسوں کے ہاتھ لگ جائے تو وہ اُسے بنجاروں کا ساتھی نہ سمجھ سکیں۔

ایک بنجارے کی حیثیت سے اُن اطراف میں اُس کی پُراسرار نقل و حرکت کو دیکھ لیا جاتا تو قافلے کی پوزیشن اور زیادہ مشکوک ہو جاتی۔

دوسری بات یہ کہ بنجاروں کے ڈھیلے ڈھالے لباس میں رہ کر زیادہ پھرتی نہیں دکھائی جا سکتی جبکہ خطرے کے وقت پھرتی اور ذہانت ہی آدمی کی جان بچاتے ہیں۔

رات گزری اور افقِ مشرق پر سفیدی لہرانے لگی۔

پرمود قافلے کے چاروں طرف دو فرلانگ کے فاصلے تک علاقے میں رینگتا پھرا لیکن اُسے کسی دشمن جاسوس کی نقل و حرکت دکھائی نہ دے سکی۔ کئی مرتبہ آہٹ سن کر وہ چونکا تو تھا لیکن وہ آہٹ کسی خرگوش لومڑی یا اسی قسم کے کسی جانور کی ثابت ہوئی تھی۔

اب صبح ہونے والی تھی اس لیے پرمود نے واپسی کا قصد کیا۔ وہ روشنی پھیلنے سے پہلے بنجارے کے روپ میں آ جانا چاہتا تھا لیکن یہ قصد کرنے کے بعد ہی اُس نے کچھ فاصلے پر ایک دھندلا سا سایہ دیکھا جو ایک گھنی جھاڑی کی اوٹ میں چلا گیا تھا۔ پرمود اُسے دیکھتے ہی یکلخت رُک گیا اور جھاڑیوں پر نظریں گاڑ دیں۔ اُسے وہ سایہ پل بھر کے لیے نظر آیا تھا لیکن وہ یقین سے کہہ سکتا تھا کہ اس کی نظروں نے دھوکا نہیں کھایا۔ وہ کوئی آدمی ہی تھا۔

لیکن کیا اُس نے بھی مجھے دیکھ لیا ہوگا؟ پرمود نے سوچا اور پھر وہ بھی بہ آہستگی قریب کی ایک جھاڑی کی اوٹ میں رینگ گیا۔ اس نے اپنے داہنے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا تھا اور اب دشمن کی کمین گاہ پر نظریں گاڑے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اب کیا ہونا چاہیے۔

دشمن ہوشیار تھا، اس لیے اُس پر سامنے سے جھپٹ پڑنا مہلک ثابت ہوتا۔

پرمود کچھ فیصلہ کر کے پلٹا اور مخالف سمت میں اس طرح رینگنے لگا کہ اُس کے اور دشمن کے درمیان جھاڑیاں حائل رہیں۔ کچھ دور نکلنے کے بعد وہ بائیں جانب مڑا۔ دراصل وہ ایک چکر کاٹ کر دشمن کی کمین گاہ کے عقب میں پہنچنا چاہتا تھا لیکن ابھی اس نے نصف سے زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا تھا کہ ایک سیاہ پوش سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

وہ دونوں یکلخت ایک دوسرے کے سامنے پہنچے اور ٹھٹھک کر رُک گئے۔ وہ دوسرا سیاہ پوش بھی ایسے ہی لباس میں تھا جیسا لباس پرمود نے پہن رکھا تھا۔ قدوقامت میں بھی وہ دونوں برابر ہی تھے۔ ریوالور بھی دونوں ہی کے ہاتھوں میں تھے۔

"ڈی تھری!" پرمود نے سرگوشی کی۔

"ڈی فور!" دوسرے کے منہ سے نکلا۔

اور پھر انھوں نے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔

"تم یہاں کیسے؟" پرمود نے ڈی تھری سے پوچھا۔

"فوجی کیمپ میں تو مجھے پتا نہیں چل سکا تھا کہ ان لوگوں نے

یہاں اپنے جاسوس چھوڑ رہے ہیں یا نہیں اس لیے میں یہاں آیا تھا کہ اگر یہاں کوئی ہے تو اس کا پتا لگاؤں۔ میرا خیال ہے کہ تم بھی یہاں اسی لیے پھر رہے ہو۔ میں نے کچھ دیر قبل اُس طرف کی جھاڑیوں میں ایک سایہ دیکھا تھا۔" ڈی بھتری نے اشارہ کیا۔

"اُس طرف ... اوہ! ... اُدھر تو میں ہی تھا۔ کیا تم اُس جھاڑی میں تھے؟" پرمود نے اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

ڈی بھتری نے اپنے سر کو اثباتی حرکت دی اور پھر اُن دونوں نے بیک وقت ہلکے ہلکے سے قہقہے لگائے کیونکہ اب یہ بات صاف ہو چکی تھی کہ وہ دونوں غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے اور ایک دوسرے کو دشمن سمجھ بیٹھے تھے۔

"یہ تجربہ دلچسپ رہا۔" پرمود نے ہنستے ہوئے کہا۔

ڈی بھتری نے اس بات کی تائید کی اور پھر بولا "میں نصف رات سے یہاں بھٹکتا پھر رہا ہوں لیکن مجھے کوئی آدمی نہیں دکھائی دیا۔"

"اور مجھے پوری رات ہو چکی ہے۔" پرمود نے کہا "اب میں مطمئن ہو گیا ہوں یہاں دشمن کا کوئی جاسوس نہیں ہے۔"

وہ دونوں ہی ایسی کرخت آواز اور لہجے میں باتیں کر رہے تھے جیسے ایک دوسرے سے اپنی اصل آواز کو چھپانا چاہتے ہوں۔

"تم نے اسلحہ کہاں چھپایا ہے؟" ڈی بھتری نے سوال کیا۔

"ایک بہت بڑے گڑھے میں۔ اچھا دوست! ... اب تم جاؤ۔ صبح ہو رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمہاری ڈیوٹی ابھی ایک ہفتے تک یہیں رہے گی؟"

"ہاں، پانچواں جہاز ایک ہفتے کے اندر اندر پہنچ جائے گا اس کے بعد میں یہاں سے ایک دوسرے کام پر روانہ ہو جاؤں گا۔ اچھا..... خدا حافظ!"

دونوں نے ہاتھ ملائے اور اپنی اپنی راہ لی۔

پرمود ڈی بھتری کی آواز پر غور کر رہا تھا مگر ذہن پر کافی زور دینے کے باوجود وہ سمجھ نہ سکا کہ وہ آواز اس کے محکمے کے کس آدمی کی ہو سکتی ہے۔

یہ بڑی دلچسپ بات تھی کہ بلگارلوی سیکرٹ سروس کے ڈی۔ ایجنٹ ایک دوسرے سے واقف نہیں تھے۔

سیکرٹ سروس کے تمام آدمیوں کے لیے ڈی سیکشن ایک پراسرار حیثیت رکھتا تھا لیکن جب پرمود کا اس سیکشن میں تبادلہ ہوا تو اُسے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ سیکشن خود اس سیکشن کے آدمیوں کے لیے بھی پراسرار ہے۔ اس میں کام کرنے والے آدمی ڈی۔ ایجنٹ کہلاتے تھے مگر ان میں سے کسی کو یہ بات نہیں معلوم تھی کہ اس سیکشن میں کام کرنے والے آدمیوں کی تعداد کتنی ہے اور وہ کون کون ہیں۔ اُن سب کی شخصیت ایک دوسرے کے لیے پردۂ راز میں تھی۔

یہی نہیں بلکہ اور کئی پراسرار باتیں بھی اس سیکشن سے وابستہ تھیں۔ پرمود کنٹران کے بلانے پر سمجھ گیا تھا لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ اس سیکشن کے لیے اتنے پراسرار اور عجیب و غریب طریقۂ کار کا انتخاب کیوں کیا گیا ہے۔

کم از کم ابھی تو یہ سب کچھ پرمود کے لیے ایک سربستہ راز تھا ممکن ہے مستقبل میں وہ ان سب رازوں سے واقف ہو جاتا۔

اسلحے کے گڑھے میں اتر کر پرمود نے اپنے پورے سر اور چہرے پر منڈھی ہوئی نقاب الگ کر دی اور بنجارے کا لباس اپنے چست لباس کے اوپر ہی پہن لیا۔ پھر جب وہ گڑھے سے نکلا تو صبح کا مدھم مدھم سا اجالا پھیل چکا تھا۔ کچھ لوگ بیدار ہو گئے تھے۔ دوپہر تک روانگی ہو گئی تمام اسلحہ پھر بیل گاڑیوں پر بار ہو چکا تھا۔ تیسرے پہر تک ان کا قافلہ ایک ایسی کچی سڑک پر پہنچ گیا جس کی دونوں طرف چٹانیں اور پہاڑی سلسلے تھے۔

سورج اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ ہلکی سی تپش ہو گئی تھی۔ کبھی کبھی گاڑی کے کسی بیل کے ڈکرانے کی آواز سنائی دے جاتی۔

پرمود سب سے آگے والی بیل گاڑی پر تھا۔

"اس علاقے میں ہماری تنظیم کے جاسوس بکھرے ہوئے ہیں۔" پرمود کا ساتھی بولا "اس وقت ان کی نظریں ہمارے قافلے پر بھی ہوں گی اور وہ اردگرد کے ماحول سے بھی پوری طرح باخبر ہوں گے۔ کسی بھی قسم کا غیر معمولی واقعہ کہیں دکھائی دیا تو ہمیں باخبر کر دیا جائے گا۔"

"ہماری منزل اب کتنی دور رہ گئی ہے؟" پرمود نے سوال کیا۔

"اگر ہم مستقل چلتے رہیں تو پو پھٹنے تک گاؤں میں پہنچ جائیں گے۔ وہاں کا زمیندار ہماری تنظیم کا ایک سرگرم کارکن ہے۔ یہ تمام اسلحہ اس کی حویلی کے تہہ خانوں میں پہنچا دیا جائے گا اور پھر وہیں سے اس کی تقسیم ہو گی۔"

پرمود نے اپنے سر کو اثباتی حرکت دی۔ رات بھر جاگنے کی وجہ سے اُس کی آنکھوں میں سرخی آ گئی تھی لیکن چہرے سے نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ تھکن محسوس کر رہا ہو گا۔

قافلہ بڑھتا رہا اور گھنٹیاں بجتی رہیں۔

شام ہونے والی تھی جب قافلے کے عقب میں انجنوں کی کرخت آوازیں سنی گئیں۔ پتا چلا کہ ملٹری کے ٹرک آ رہے تھے۔ بیل گاڑیاں بالکل کنارے کر دی گئیں تاکہ ٹرک ان کے برابر سے نکل جائیں۔

پرمود چوکنا ہو گیا۔

حالانکہ یہ ایک عام راستہ تھا اور ملٹری کے ٹرک یہاں سے گزرا

ہی کرتے ہوں گے لیکن پرمود ہر ایسے واقعے کو شبہے کی نظروں سے دیکھنے کا عادی تھا جس سے کسی قسم کا نقصان پہنچ سکتا ہو!

اُن ٹرکوں کی تعداد آٹھ تھی۔ وہ قافلے کے برابر سے نکلے چلے گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے خاک دھول کے طوفان میں چھپ گئے۔ پرمود نے اطمینان کا سانس لیا، لیکن یہ اطمینان وقتی تھا۔ مشکل سے چھ سات منٹ گزرے ہوں گے کہ بائیں جانب والے پہاڑی سلسلے سے ایک آدمی نیچے آتا دکھائی دیا۔ وہ بے تحاشہ نیچے اتر رہا تھا اور دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر شاید قافلے کو رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ اس کے گلے میں ایک کیمرہ اور ایک دوربین لٹکی ہوئی تھی اور وہ خاکی رنگ کے لباس میں تھا۔

"یہ ہماری تنظیم کے اُن جاسوسوں میں سے ایک معلوم ہوتا ہے جو اس علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ شاید وہ ہمیں کوئی خاص اطلاع دینا چاہتا ہے۔ ہمیں رکنا چاہیے۔"

قافلہ رک گیا اور دو منٹ بعد ہی وہ آدمی سب سے آگے والی بیل گاڑی کے قریب کھڑا ہانپ رہا تھا۔

"سُرخ ستارہ" وہ پرمود کے ساتھی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"عظیم ہے" پرمود کے ساتھی نے جواباً کہا۔

"جو فوجی ٹرک ابھی یہاں سے گزرے تھے وہ چند میل آگے جا کر رک گئے ہیں۔ وہاں پر ہمارا جو آدمی متعین ہے اس نے مجھے ٹرانسمیٹر پر یہ اطلاع دی ہے" اجنبی نے بتاتے ہوئے اپنے شانے پر لٹکے ہوئے کیمرے پر ہاتھ رکھا جو پرمود کے خیال کے مطابق ٹرانسمیٹر ہی ہو سکتا تھا۔

"اوہ!" پرمود کے ساتھی کا لہجہ پُرتشویش تھا۔

"فکر نہ کرو دوست!" پرمود نے اس کا شانہ تھپکا۔ "ہمیں تو ان خطرات سے کھیلنا ہی ہے۔ ویسے یہ ضروری نہیں کہ ان ٹرکوں کے رکنے کا سبب ہمارا قافلہ ہو۔ کوئی دوسری وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ ورنہ وہ ہم سے آگے کیوں نکل جاتے۔"

"بس مجھے یہی اطلاع دینا تھی" اجنبی نے کہا۔ "اب آپ لوگ بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آپ کو کیا کرنا ہے۔ خدا حافظ!"

وہ ہاتھ ہلا کر واپس اسی پہاڑی پر چڑھتا چلا گیا جس پر سے اترتا نظر آیا تھا۔

پرمود کے اشارے پر قافلہ پھر چل پڑا لیکن پرمود بیل گاڑی سے اتر کر پیچھے کی طرف چلا۔ ایک کے بعد ایک وہ تمام بیل گاڑی والوں کو ہدایات دیتا چلا جا رہا تھا۔

آخری گاڑی والے کو ہدایت دینے کے بعد وہ پھر پلٹا اور دوڑتا ہوا اپنی بیل گاڑی کے پاس آ گیا۔

اب کچھ فاصلے پر وہ ٹرک دکھائی دینے لگے تھے۔

بیل گاڑی پر بیٹھ جانے کے بعد پرمود نے اپنے ساتھی کو بھی سمجھایا کہ کس قسم کی صورتِ حال پیدا ہونے پر انھیں کیا کرنا ہوگا۔

سڑک پر ٹرک عین وسط میں اس طرح رُکے تھے کہ بیل گاڑیاں آگے نہیں بڑھ سکتی تھیں۔ ٹرکوں کے عقب میں فوجی جوان کھڑے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ رائفلیں ان کے شانوں سے لٹکی ہوئی تھیں اور بظاہر ان کے ارادے خطرناک نہیں معلوم ہوتے تھے۔ پرمود نے انھیں گنا۔ وہ تعداد میں اکتیس تھے۔ افسر ایک بھی نہیں تھا۔ اُن کی وردیاں ظاہر کر رہی تھیں کہ وہ رنگروٹ ہیں۔

قافلے کو اُن کے قریب پہنچ کر رکنا پڑا کیونکہ راستہ مسدود تھا۔

"ہے!" ایک فوجی چلّایا۔ "ہمارے ٹرکوں کے انجن گرم ہو گئے ہیں اور ہمارا پانی کا ذخیرہ ختم ہو چکا ہے۔ تم لوگوں کے پاس تو کافی پانی ہوگا؟"

"میں نے کہا تھا نا کہ ان لوگوں کے رُکنے کا سبب ہمارے علاوہ کچھ اور بھی ہو سکتا ہے" پرمود نے مدھم لہجے میں اپنے ساتھی سے کہا۔ "ان سے کہو ہم انھیں پانی دے دیں گے۔"

پرمود بھی گلبار کی زبان جانتا تھا مگر لہجے پر قدرت حاصل نہ ہونے کی بنا پر وہ بولنے سے محترز رہا۔

پرمود کے ساتھی نے فوجیوں سے کہا کہ انھیں پانی مل جائے گا۔ پھر اُس نے چیخ کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ فوجیوں کو پانی دیا جائے۔

قافلے کی عورتوں کو دیکھ کر وہ فوجی قریب آ گئے اور آپس میں بھونڈے قسم کے مذاق کرتے ہوئے قہقہے لگانے لگے۔ وہ راجیشیائی تھے۔ پرمود نے اس کا اندازہ ان کی زبان سے لگایا جو وہ بول رہے تھے۔ ان میں سے جس نے گلباری زبان میں پانی کا مطالبہ کیا تھا، اس کے لہجے میں بھی وہ چاشنی نہیں تھی جو گلباریوں کا خاصہ سمجھی جاتی ہے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ وہ بھی راجیشیائی ہی تھا۔

پرمود کا خون کھولنے لگا۔ راجیشیائی کتّے بھی اس کے لیے قابلِ نفرت تھے لیکن مصلحت کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ غصّے کا اظہار تو کُجا، اس کے تاثرات چہرے پر بھی نہ آنے دیتا۔

پانی کے کئی بڑے ڈرم بیل گاڑیوں سے اتارے جا رہے تھے لیکن فوجیوں کے قریب آ جانے سے پرمود مضطرب ہو گیا تھا۔ عین ممکن تھا کہ ان میں سے کوئی کسی بیل گاڑی کا پردہ اٹھا کر اندر جھانک لیتا۔

فوجی شاید یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ قافلے کا کوئی فرد ان کی زبان نہیں سمجھ سکتا، اس لیے وہ قافلے کی عورتوں کے بارے میں کھُل کر تبصرے کر رہے تھے۔

ایک کہہ رہا تھا۔ "یار! ان میں سے دو ایک کو اٹھا لے چلو نا۔"

"اس چکر میں دیر ہو جائے گی۔" دوسرا بولا۔ "اور پھر ان میں سے تو کوئی بھی ڈھنگ کی نہیں ہے۔ سبھی دراز عمر ہیں۔"

"ارے یہ بنجارے بڑے چالاک ہوتے ہیں۔" تیسرے نے کہا۔ "ہمیں دیکھ کر انھیں دھڑکا لگ گیا ہوگا۔ اچھی لونڈیاں گاڑیوں کے اندر چھپا دی گئی ہوں گی۔"

"تو پھر دیکھا جائے کسی گاڑی کا پردہ اُٹھا کر؟"

پرمود کو یوں محسوس ہوا جیسے ذہن پر ہتھوڑے کی ضرب لگی ہو۔ اگر واقعی یہ لوگ ایسا کر گزرے تو کیا ہوگا؟

پانی کے ڈرم گاڑیوں سے اتارے جا چکے تھے۔

"انھیں لے کر ٹرکوں کی طرف چلو!" اسی فوجی نے کہا جو گلبار کی زبان جانتا تھا۔

لیکن پرمود کی توجہ ان دو تین فوجیوں کی طرف رہی جن میں سے ایک نے بیل گاڑی میں جھانکنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔

پرمود نے اُسے ایک بیل گاڑی کی طرف بڑھتے دیکھا اور اپنے عضلات میں تناؤ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔

اس گاڑی کے آدمیوں کی نظریں بیک وقت پرمود کی طرف گئیں لیکن پرمود نے انھیں آنکھوں کے اشارے سے ابھی کچھ کرنے سے روک دیا۔ وہ آخری وقت آنے سے پہلے کوئی ہنگامی قدم نہیں اُٹھانا چاہتا تھا۔ وہ اس اُمید پر رُکا رہنا چاہتا تھا کہ شاید معجزانہ طور پر اس فوجی کا ارادہ بدل جائے۔

پرمود کی مٹھیاں کھلنے اور بند ہونے لگیں۔ خود اس کی دلی خواہش تو یہی تھی کہ ان فوجیوں میں سے ایک کو بھی زندہ بچ کر نہ جانے دے لیکن جس نازک مہم کی ذمے داری کا بوجھ اُس کے کاندھوں پر تھا، وہ اسی بات کی متقاضی تھی کہ ہنگاموں سے بچنے کی حتی الامکان کوشش کی جائے۔

قافلے کے چند آدمی پانی کے ڈرم اُٹھا کر ٹرکوں کی طرف بڑھے۔ چند فوجی بھی اُن کے ساتھ تھے۔

پرمود کی سانسیں تیزی سے چلنے لگیں کیونکہ وہ منحوس فوجی ایک بیل گاڑی کے قریب پہنچ گیا تھا۔

پرمود کی انگلیاں اس کے اپنے منہ کے قریب پہنچ گئیں۔ وہ ایک مخصوص انداز کی سیٹی بجانے کے لیے تیار تھا۔

آخر وہ خطرناک وقت آ ہی گیا جب اُس فوجی نے بیل گاڑی کا پردہ اٹھا کر اندر جھانکا تھا۔ پرمود نے اس کا منہ حیرت سے کھلتے دیکھا اور اسی وقت سیٹی کی ایک مخصوص آواز قافلے کے ہر فرد نے سُن لی۔

اس سیٹی کا مطلب تھا۔ "دشمن کو خاموشی سے ختم کر دو۔"

سیٹی بجا کر پرمود نے اپنے قریب کھڑے ہوئے ایک فوجی پر زقند لگائی اور اُسے زمین پر گرا دیا۔ پانی کے ڈرم لے کر جانے والے، ڈرم پھینک کر اُن فوجیوں پر ٹوٹ پڑے جو اُن کے ساتھ تھے۔ پرمود نے ایک ہی وار میں اپنے شکار کی گردن توڑ دی۔ پرسکون ماحول چند ثانیوں میں ہنگامہ پرور بن چکا تھا۔

پانی لے جانے والوں کی تعداد سات تھی اور ان کے ساتھ کے فوجیوں کی تعداد آٹھ، اس لیے ان میں سے ایک کو موقع مل گیا اور اُس نے اپنی رائفل شانوں سے اتارتے ہوئے ایک چٹان کے عقب میں چھلانگ لگا دی، پھر فائر ہوا اور ایک گولی قافلے کے ایک آدمی کو چاٹ گئی۔ فائر کی آواز سنتے ہی پرمود کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ جس بات سے ڈر رہا تھا، وہ سامنے آ چکی تھی۔ پھر لگاتار فائر ہونے لگے۔ قافلے کے دو ایک آدمیوں نے بھی ریوالور نکال لیے تھے۔

باقی بیس فوجیوں کو تو ٹھکانے لگایا جا چکا تھا لیکن اکیسویں نے قافلے کے تین آدمیوں کو ختم کر دیا۔

قافلے کے تمام لوگ پوزیشن لے چکے تھے لیکن جب بزدل راجپوت سپاہی کو احساس ہوا کہ وہ اکیلا رہ گیا ہے اور اپنی جان بچا کر نہ نکل سکے گا تو اُس نے چیخ کر ہتھیار ڈال دینے کے لیے کہا۔

لیکن جس وقت چیخ کر اُس نے اپنی شکست کا اعلان کیا اُسی وقت ایک گولی اُس کی کھوپڑی میں سوراخ کر گئی۔ یہ گولی اس کے عقب میں پہنچ کر قافلے کے ایک آدمی نے چلائی تھی۔

پھر سناٹا چھا گیا۔

"یہ بُرا ہوا... بہت بُرا۔" پرمود نے اضطراب کے عالم میں ہاتھ مَل کر اپنے ساتھی سے کہا۔ "فائروں کی آواز دور تک گئی ہوگی۔ اب ہمیں کسی بڑے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔"

پرمود کے ساتھی کے چہرے پر بھی تشویش کے آثار پیدا ہو گئے۔

"ان لاشوں کو جلد از جلد ٹھکانے لگواؤ۔" پرمود نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ انہیں ٹرکوں میں ڈال دو اور خون کے دھبوں پر پانی بہا دو۔ اب ہم ان ٹرکوں کو بھی استعمال کریں گے۔"

"لیکن سارا اسلحہ ان ٹرکوں میں نہیں آ سکتا۔"

"جتنا بھی آئے۔" پرمود نے کہا۔ "جلدی کرو!"

اب رات کی تاریکی چوطرف پھیل چکی تھی اور پرمود اس تاریکی میں خطرات کے ہیولے چکراتا محسوس کر رہا تھا۔

6

جتنی جلدی ہو سکا سارے کام ختم کر لیے گئے۔ رات کی تاریکی اور سناٹے میں بیل گاڑیوں کی گھنٹیاں پھر بجنے لگیں۔ قافلہ چل پڑا لیکن اِس مرتبہ قافلے کی بہت سی گاڑیاں اسلحے سے خالی تھیں۔ اُن کا تمام

اسلحہ خالی ٹرکوں میں بھر دیا گیا تھا اور وہ ٹرک اس وقت اس قافلے سے ت آگے اپنے انجنوں کی کرخت آواز سے خاموش فضا میں ارتعاش پیدا کر رہے تھے۔

آگے والے ٹرک میں ڈرائیور کے برابر ہی پرمود بیٹھا ہوا تھا۔ پیچھے والے ٹرکوں میں بھی دو دو تین تین آدمی تھے اور ان سب کو ملا کر تعداد بیس تھی۔ ان سب نے ان فوجیوں کا لباس پہن لیا تھا جن کی لاشیں ٹرکوں ہی میں اسلحے کے نیچے دبی ہوئی تھیں۔

ڈیڑھ گھنٹے میں وہ ٹرک اس گاؤں کے قریب پہنچ جاتے جہاں من کو اسلحہ پہنچانا تھا۔

پرمود کا ارادہ تھا کہ اسلحہ پہنچانے کے بعد پھر لوٹے گا اور قافلے کی گاڑیوں سے ٹرکوں میں اسلحہ بھر کر دوبارہ گاؤں کی طرف روانہ ہوگا۔ اس طرح جتنے پھیرے بھی ہو جائیں۔ ویسے اس کو پورا یقین نہیں تھا کہ سارا اسلحہ حفاظت سے منزل تک پہنچا سکے گا۔ بہرحال... اس نے سوچا تھا کہ جتنا کچھ بھی ہو جائے نہ ہونے سے بہتر ہی ہوگا۔

سڑک ہموار نہیں تھی لیکن ٹرکوں کو حتی الامکان تیز رفتاری سے چلایا جا رہا تھا۔

وہ سب فوجی وردی میں تھے لیکن اس کے باوجود بھی پرمود پوری طرح مطمئن نہیں تھا۔ اس کی دانست میں وہ کسی وقت بھی خطرات سے دوچار ہو سکتے تھے۔ اس کا امکان تھا کہ راستے میں کسی جگہ کسی فوجی دستے سے مڈبھیڑ ہو جاتی اور وہ لوگ ان فوجیوں سے واقف ہوتے جنہیں ان ٹرکوں میں ہونا چاہیے تھا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ لوگ جب ان ٹرکوں پر اجنبی چہروں کو دیکھتے تو ان کے دلوں میں شک پیدا ہوتا۔ وہ ٹرکوں کو رکوا کر مطمئن ہونے کی کوشش کرتے... اور پھر... کوئی دوسرا ہنگامہ!...

پرمود خیالات میں غرق بیٹھا رہا۔

قافلے کا انچارج وہ اپنے ساتھی کو بنا آیا تھا اور اسے ہدایت کر دی تھی کہ خطرہ سر پر آجانے کی صورت میں اسلحہ برباد کرنے میں ذرا بھی کوتاہی نہ کی جائے۔

خطرات کو جان بوجھ کر دعوت مبارزت دینا، پرمود کی فطرت تھی۔ وہ خطرات سے کھیل کر روحانی تسکین حاصل کرتا تھا، مگر ایسی صورت میں جب اس کے کسی مشن کی ناکامی کا احتمال ہو، وہ خطرات سے پہلوتہی کی کوشش کرتا تھا۔ ایسے مواقع پر اپنی فطرت کو کچل کچل دیتا تھا جو آگ کے سمندر میں چھلانگ لگانے کے لیے بیتاب رہتی تھی۔

ڈیڑھ گھنٹے کی بجائے ایک گھنٹہ اور پندرہ ہی منٹ میں ٹرک اس گاؤں میں داخل ہو گئے اور حویلی کے پھاٹک پر جا کر رکے۔

گاؤں کے لوگوں نے فوجی ٹرکوں کو حویلی کے پھاٹک پر رکتے ہوئے بڑی حیرت سے دیکھا۔

پرمود نے ٹرک رکتے ہی دروازہ کھول کر نیچے چھلانگ لگا دی اور بند پھاٹک کے قریب پہنچ کر اسے زور سے ہلایا۔ اس کا ساتھی ڈرائیور بھی اتر کر اس کے قریب آگیا لیکن باقی لوگ ٹرکوں ہی میں بیٹھے رہے۔

"کون ہے؟" ذرا دیر بعد پھاٹک کی دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"سرخ ستارہ"

فوراً ہی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھول دی گئی لیکن کھولنے والا دو فوجیوں کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔

"گھبراؤ مت!... میں ہوں... ذکریا..."

"اوہ!" ذیلی کھڑکی کھولنے والے نے طویل سانس لی۔

"پھاٹک کھولو... جلدی۔" ذکریا نے کہا اور پھر ٹرک کی طرف چھلانگ لگا دی۔

پرمود بھی جلدی سے آگے بڑھ کر ٹرک میں سوار ہو گیا۔

پُرشور آواز کے ساتھ پھاٹک کھلا اور ٹرک اندر داخل ہونے لگے۔ ان کے اندر آجانے کے بعد پھاٹک بند کر لیا گیا۔

زمیندار جو اس حویلی کا مالک تھا، شاید ٹرکوں کی آواز سن کر برآمدے میں آگیا تھا۔

پندرہ بیس منٹ میں ٹرکوں سے اسلحہ اتار دیا گیا۔ اس دوران میں پرمود اور ذکریا، زمیندار سے باتیں کرتے رہے تھے اور انھوں نے اسے بتایا تھا کہ ہنگامی حالات پیدا ہو چکے ہیں۔ زمیندار کے چہرے پر تشویش کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

بیس منٹ بعد ٹرک وہاں سے واپس چل پڑے۔ اس مرتبہ نہ جانے کیوں پرمود نے آگے والے ٹرک کی ڈرائیونگ خود سنبھالی تھی۔ وہ راستے میں ذکریا سے بولا۔ "ہم سے غلطی ہوئی۔ عورتوں اور بچوں کو بھی لے آنا چاہیے تھا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس خطرناک مہم میں بچوں کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے؟"

"اگر بچے نہ ہوں جناب تو قافلے کو یقیناً مشکوک سمجھ لیا جائے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ بنجاروں کے ساتھ عورتیں اور بچے نہ ہوں۔"

جواب معقول تھا یا کوئی اور وجہ تھی، بہرحال پرمود نے پھر اس مسئلے پر کچھ نہ کہا۔

لیکن اس پھیرے میں پرمود نے ٹرکوں میں عورتوں اور بچوں کو بھی سوار کر لیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ سرخ تنظیم کے افراد انتہائی جاں نثار ہیں ورنہ وہ لوگ اپنی عورتوں اور بچوں کو خطرے میں نہ ڈالتے۔

صبح ہونے سے پہلے پہلے اس نے کئی پھیرے کر لیے اور تین چوتھائی سے زیادہ اسلحہ زمیندار کی حویلی میں منتقل ہو گیا۔

ساڑھے پانچ بج رہے تھے اور آٹھوں ٹرکوں نے ایک بار پھر قافلے کی طرف بڑھنا شروع کیا تھا۔ وہ آدھے گھنٹے میں قافلے کے قریب پہنچ جاتے کیونکہ اس دوران میں بھی قافلے نے اپنا سفر جاری رکھا تھا اور گاؤں سے کافی قریب آگیا تھا۔

"گزشتہ تین مرتبہ قافلے کو کسی خطرے سے تو دوچار نہیں ہونا پڑا تھا؟" پرمود نے ذکریا سے سوال کیا۔

"نہیں، ہم بڑی آسانی سے اسلحہ لے آئے تھے۔ اسی مرتبہ ستارے کچھ گردش میں آگئے۔"

"لیکن ہم تین چوتھائی سے زائد اسلحہ حفاظت سے پہنچا چکے ہیں۔" پرمود نے جتایا۔

"آپ ہی کا کام تھا یہ بھی، ہم لوگ شاید ان ٹرکوں کا استعمال خطرناک سمجھتے ہوئے انھیں نظرانداز کر دیتے۔" ذکریا نے کہا۔ "اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ حویلی میں کافی پیٹرول مل گیا ورنہ ہمارے یہ ٹرک اتنے پھیرے نہیں کر سکتے تھے۔"

"بہرحال اب یہ اُمید پیدا ہو چلی ہے کہ ہم سارا اسلحہ حفاظت سے پہنچا دیں۔ غالباً اس فائرنگ کی آوازیں دشمن کے کانوں تک نہیں پہنچیں اور یہ بھی ہماری خوش قسمتی ہے کہ اب تک ان ٹرکوں کی تلاش کا کام نہیں شروع ہوا۔ جہاں ان ٹرکوں کو پہنچنا تھا وہاں کے لوگ ذمہ دار نہیں معلوم ہوتے ورنہ انھیں اس امر پر تشویش ہونا چاہیے تھی کہ ٹرک اب تک کیوں نہیں پہنچے۔"

ذکریا نے اپنے سر کو اثباتی حرکت دی، پھر بولا۔ "ان ٹرکوں میں سے کسی میں وائرلیس بھی نہیں ہے۔"

"ہوں۔"

"ارے! یہ آوازیں کیسی ہیں؟" ذکریا چونک پڑا۔

پرمود اس سے پہلے ہی ان آوازوں پر غور کر رہا تھا اور پھر دفعتہً اس کے منہ سے نکلا۔ "فائرنگ۔"

وہ یقیناً گولیاں چلنے کی آوازیں تھیں۔

"اف!" ذکریا بولا۔ "شاید قافلہ خطرے میں پڑ گیا ہے۔"

پرمود نے ایکسیلیٹر پر دباؤ بڑھا دیا۔ رفتار تیز ہو گئی۔ ناہموار سڑک پر ٹرک بری طرح اچھلنے لگا۔ پرمود نے کھڑکی کے باہر لگے ہوئے عقب نما آئینے میں دیکھا کہ پیچھے کے ٹرکوں کی رفتار بھی بڑھا دی گئی ہے۔ ممکن ہے انھوں نے بھی فائرنگ کی آوازیں سن لی ہوں۔

"لل... لیکن... اب ہم کیا کر سکیں گے؟" ذکریا بولا۔

"یہ تو اسی وقت دیکھا جائے گا جب ہم قافلے کے قریب پہنچ جائیں۔"

ذکریا نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ پرمود کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے



اور نظریں ونڈ اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔ فائرنگ کی آواز قریب آتی چلی جا رہی تھی اور پھر دفعتہً ایک دھماکا سنائی دیا۔ جیسے بم پھٹا ہو۔ اس کے بعد پے در پے کئی دھماکے ہوئے اور پرمود نے ایکسیلیٹر پر دباؤ کم کرتے ہوئے ایک طویل سانس لی۔

"ختم ہو گیا۔" وہ بڑبڑایا۔ "باقی اسلحہ ختم ہو گیا۔"

غالباً خطرہ قافلے والوں کے عین سر پر پہنچ گیا تھا اور انھوں نے بچاؤ کے امکانات ختم ہوتے دیکھ کر ٹائم بموں سے اسلحہ تباہ کر دیا تھا۔

اب آگے بڑھنا فضول ہی نہیں بلکہ خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا مگر اس سے پہلے کہ پرمود کوئی فیصلہ کرتا، سڑک کے ایک کنارے پر دو موٹر سائیکلیں کھڑی دکھائی دیں۔ سڑک کے وسط میں کھڑے ہوئے دو ملٹری سارجنٹ ہاتھ ہلا کر ٹرکوں کو روکنے کا اشارہ کر رہے تھے۔

"اب؟" ذکریا کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"رکنے میں خطرہ ہے۔" پرمود نے کہا لیکن بریک لگائے۔

"اوہ! تو پھر کیوں رک رہے ہیں؟"

"دیکھتے رہو۔" پرمود نے کہا۔

بریک بڑی تیزی سے لگائے گئے تھے اس لیے ملٹری سارجنٹس نے یہی سمجھا ہو گا کہ ٹرک رک رہے ہیں مگر ان کے قریب پہنچتے ہی پرمود نے یکلخت بریک سے پیر ہٹا کر ایکسیلیٹر پر رکھ دیا۔ رفتار بڑی تیزی سے بڑھی۔ دونوں سارجنٹس نے اچھل کر بچنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ ٹرک انھیں روندتا ہوا نکل گیا۔ دو چیخیں سنائی دیں۔

ذکریا اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔

پرمود نے کچھ آگے جا کر ٹرک روک دیا۔ پیچھے والے ٹرک بھی رک گئے۔ دور سے فائرنگ کی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں۔

سب کے سب ٹرکوں سے اتر پڑے۔ کچھ فاصلے پر دونوں سارجنٹس کی خون میں لتھڑی ہوئی لاشیں پڑی تھیں۔ قیمہ سا بن کر رہ گیا تھا کیونکہ آٹھوں ہی ٹرک انھیں کچلتے ہوئے آگے آئے تھے۔

"اب ہم واپس جائیں گے۔" پرمود نے کہا۔ "لیکن اس راستے سے

نہیں، ممکن ہے ٹرکوں کی تلاش میں کوئی ادھر آ ہی نکلے۔ آپ لوگوں کو اب کہاں پہنچنا ہے؟"

"شہر۔"

"شہر اس گاؤں سے کتنا آگے ہے؟"

"تیس میل۔"

"کیا وہاں پہنچنے کے لیے اس راستے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے؟"

"ہے۔" ذکریا نے جواب دیا۔ "لیکن وہ بہت طویل ہو جائے گا۔ ہم کئی گھنٹے میں شہر پہنچ سکیں گے۔"

"اس راستے پر سفر کرنے سے بہتر ہے کہ ہم کئی گھنٹے میں شہر پہنچیں۔"

"لیکن ... ہمارے وہ ساتھی۔" ذکریا نے اضطراب کے عالم میں اس طرف دیکھا جدھر سے فائرنگ کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"ظاہر ہے کہ وہ بچے نہیں ہیں۔ اپنی حفاظت خود کر سکیں گے۔ ہمارا وہاں جانا حماقت ہی ہوگا۔ ویسے میں آپ لوگوں کو پابند نہیں کرنا چاہتا۔ اگر آپ لوگ وہاں جانا چاہتے ہیں تو مجھے آپ لوگوں کو روکنے کا اختیار نہیں البتہ میرے لیے ضروری ہے کہ میں شہر پہنچنے کی کوشش کروں۔ مجھے اب جنرل شیرازی تک پہنچنا ہے۔ ہاں تو اب آپ لوگ جلدی فیصلہ کیجیے کہ آپ کو کیا کرنا ہے۔ ویسے میں ایک بار پھر آپ لوگوں کو یہی مشورہ دوں گا کہ وہاں نہ جائیے۔ اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ آپ کے ساتھی اپنی حفاظت خود کر لیں گے۔ میرا خیال ہے کہ اب تک وہ پہاڑیوں میں پھیل چکے ہوں گے اور آپ کے لیے ناممکن ہوگا کہ انھیں تلاش ہی کر سکیں۔"

"ٹھیک ہے۔" ذکریا نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔ "ہمیں واپس ہی جانا چاہیے۔"

"اور ہم دوسرے راستے سے واپس جائیں گے۔"

"لیکن اس راستے پر ہمیں دو چیکنگ پوسٹ ملیں گی۔"

"وہ بعد کی باتیں ہیں۔ فی الحال ہمیں یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے۔"

سڑک کی چوڑائی کم ہونے کی وجہ سے انھیں بار بار اسلحہ لے جاتے وقت ٹرکوں کو بیک کرنے میں دقت ہوئی تھی۔ وہی دقت اس وقت بھی ہوئی لیکن بہرحال ٹرکوں کو موڑ ہی لیا گیا۔

اس مرتبہ بھی پرمود نے اپنے لیے آگے والے ٹرک کا انتخاب کیا تھا لیکن اس مرتبہ ڈرائیونگ ذکریا کے ہاتھ میں تھی کیونکہ پرمود کے لیے وہ راہیں اجنبی تھیں جن پر انھیں اب سفر کرنا تھا۔

چار پانچ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ سب ٹرک بائیں جانب مڑ گئے۔ اس طرف سے شاید ہی کبھی کوئی گاڑی گزرتی ہو کیونکہ یہ انتہائی ناہموار راستہ تھا۔ اتنا ناہموار کہ ٹرکوں کی رفتار رینگنے کی حد تک کم کرنا پڑتی تھی اور وہ لوگ ایسا محسوس کر رہے تھے جیسے سمندر کی اونچی نیچی لہروں پر سفر کر رہے ہوں۔

بیس منٹ تک اتنے جھٹکے کھانا پڑے کہ ان لوگوں کے انجر پنجر ڈھیلے ہو گئے ہوں گے۔ خدا خدا کر کے انھوں نے اس ناہموار علاقے کو عبور کیا اور ان کے ٹرک ایک میدان میں فراٹے بھرنے لگے لیکن یہاں بھی ان کی رفتار بیس میل سے زیادہ نہ کی جا سکی تھی۔

"ہمیں دو چیکنگ پوسٹ کراس کرنا پڑیں گی۔" پرمود نے اطمینان نصیب ہو جانے پر ذکریا سے کہا۔

"ہاں!" ذکریا نے جواب دیا۔ "اور دونوں جگہ راجیشیائی فوج کے آدمی ملیں گے جبکہ ہم میں سے کوئی بھی راجیشیائی لب و لہجے پر قادر نہیں ہے۔ صرف راجیشیائی فوج کی وردی پہن لینے سے ہم لوگ محفوظ نہیں ہو گئے ہیں۔"

"اس کی فکر نہ کرو دوست! میں ان لوگوں سے کسی اہل زبان ہی کی طرح گفتگو کروں گا۔" پرمود نے کہا۔ "مجھے راجیشیائی زبان پر مکمل عبور حاصل ہے۔"

"لیکن اگر ان لوگوں نے شناختی کارڈ طلب کر لیے تو؟"

"ہاں یہ مسئلہ قابلِ غور ہے۔" پرمود نے اپنے سر کو اثباتی جنبش دی۔ "اس صورت میں ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہوگا کہ ان لوگوں کو ٹھکانے لگا دیں۔ میرا خیال ہے کہ کسی پوسٹ پر بھی دو چار آدمیوں سے زیادہ تعداد نہ ہوگی۔"

"پہلے پڑنے والی پوسٹ پر عموماً چار اور اس سے اگلی پوسٹ پر پانچ آدمی رہتے ہیں۔"

"دیکھا جائے گا۔" پرمود نے لاپرواہی سے اپنے بائیں شانے کو حرکت دی۔ "ہم پہلی پوسٹ پر کب تک پہنچ جائیں گے؟"

"آدھے گھنٹے میں! اس کے بعد والی چیکنگ پوسٹ دو گھنٹے میں آئے گی۔"

پرمود نے خیال انگیز انداز میں اپنا سر ہلایا اور جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالتا ہوا ادھر ادھر نظر دوڑانے لگا۔

صبح ہونے میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا۔ سارے میدان میں تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ احتیاطاً ٹرکوں کی ہیڈلائٹس بھی بجھا دی گئی تھیں تاکہ انھیں ایک غلط راستے پر دیکھ کر کوئی ان کی طرف سے مشکوک نہ ہو جائے۔

اچانک پرمود نے ٹرک روکنے کے لیے کہا۔

"کیوں!" ذکریا نے حیرت سے پوچھا۔

"مناسب ہوگا کہ سب لوگ ایک ٹرک میں ہوں۔ باقی ٹرک یہیں چھوڑ دینا اچھا ہے۔ یہ جگہ ایسی ہے کہ صبح سے پہلے کوئی بھی ان ٹرکوں کو نہ دیکھ سکے گا۔"

"آپ نے مناسب بات سوچی ہے۔" ذکریا نے اپنے سر کو حرکت دیتے ہوئے کہا۔

اگلا ٹرک رُکنے پر پیچھے والے بھی رُک گئے۔ انھیں حیرت تھی کہ اُس ویران مقام پر کیوں روکا گیا ہے لیکن جب انھیں پرمود کی تجویز بتائی گئی تو ان سبھی نے اُس پر صاد کیا۔

پانچ منٹ بعد سات ٹرک وہیں کھڑے رہ گئے اور ایک ٹرک تیز رفتاری کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگا۔

پرمود اور ذکریا کے علاوہ سب لوگ ٹرک کے عقبی حصّے میں تھے اور تینوں سائیڈوں میں کینوس لگا ہونے کی وجہ سے اُن کو باہر سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

پرمود نے سگریٹ جلائی اور اُس کے ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ گزشتہ رات کی طرح آج کی رات بھی جاگتے ہوئے گزر گئی تھی اور اب پرمود کی آنکھوں میں شدید جلن کا احساس ہو رہا تھا۔ اپنے ذہن کو نیند کے خیال سے ہٹانے کے لیے وہ جنرل شیرازی کے بارے میں سوچنے لگا۔ پچھلی مرتبہ جب پرمود گلبار آیا تھا تو شیرازی سے اُس کی ملاقات بارہ ہل نامی شہر میں ہوئی تھی لیکن اب اُسے معلوم تھا کہ وہ آج کل دارالحکومت نسترن میں ہے۔ پرمود اُس وقت نسترن ہی کی طرف جا رہا تھا اور اُسے وہاں جنرل شیرازی سے ملاقات کرنا تھی۔

جنرل شیرازی سُرخ تنظیم کا سربراہ تھا اور اُسے گلبار کے مقتول شہنشاہ کے لڑکے شہزادہ حیات کی پُشت پناہی حاصل تھی۔ گلبار کی کٹھ پتلی حکومت کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ شہزادہ زندہ بچ نکلا ہے۔ اُن لوگوں کو خونی انقلاب کے بعد ایک آتشزدہ عمارت سے ایک سوختہ لاش ملی تھی جسے شہزادہ حیات کی لاش سمجھ کر وہ لوگ مطمئن ہو گئے تھے کہ اب اُن کی راہ میں کوئی کانٹا باقی نہیں رہ گیا۔

راجیشٹائی سامراج کے خاتمے پر یقینی امر تھا کہ گلبار کی حکمرانی کا تاج شہزادہ حیات کے سر پر رکھا جاتا۔

پرمود سوچ رہا تھا کہ جنرل شیرازی کے پاس پہنچنے کے بعد اُسے کیا کام کرنا ہوگا؟ اُس کا خیال تھا کہ اُس کے گلبار آنے کا بنیادی مقصد اُسی کام کی تکمیل ہے جس کے بارے میں تفصیلات کا علم اُسے جنرل شیرازی ہی سے ہوتا۔ اسلحے کو حفاظت سے پہنچانے کا جو فرض اُسے سونپا گیا تھا وہ اُس کی دانست میں ایک ثانوی چیز تھی۔ ممکن ہے کہ اسلحے کی حفاظت گلبار میں اُس کے داخلے کے لیے ایک بہانہ ہو۔ کسی نہ کسی طرح اُسے گلبار پہنچانا ہی تھا چنانچہ اس طرح وہ گلبار پہنچ گیا۔

اب اُن کا ٹرک میدان کو عبور کرنے کے بعد ایک سڑک پر ہو لیا۔ یہ تارکول کی چکنی سڑک تھی اس لیے رفتار میں خاطر خواہ اضافہ کرنے میں کوئی دُشواری نہ ہوئی۔

"اب ہم چیکنگ پوسٹ کے قریب پہنچنے ہی والے ہیں۔" ذکریا بولا۔

"ہوں!" پرمود کے چہرے سے اضطراب یا سراسیمگی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔

پانچ منٹ بعد اُنھیں اپنا ٹرک روکنا پڑا۔

لکڑی کے "راہ روک" کی بائیں جانب، لکڑی کا ایک کیبن بنا ہوا تھا۔ غالباً ٹرک کے انجن کی آواز سُن کر اُس کیبن میں سے ایک فوجی نکلا مگر ٹرک کے قریب آنے کی بجائے اُس نے راہ روک کی لکڑی اوپر اُٹھا دی اور ہاتھ کے اشارے سے اُنھیں آگے نکل جانے کے لیے کہا۔

"قدرت مہربان ہے۔" ذکریا نے بڑبڑاتے ہوئے ٹرک بڑھا دیا۔

پرمود کچھ نہ بولا لیکن اُسے تعجب ہوا تھا کہ ایسا کیوں ہوا! صرف یہی بات سمجھ میں آتی تھی کہ اگلی چیکنگ پوسٹ پر بہت زیادہ سختی سے چیکنگ کی جاتی ہوگی، اس لیے پہلی چیکنگ پوسٹ کا عملہ لاپرواہ ہو گیا تھا۔

"اگر اگلی پوسٹ پر بھی قدرت مہربان رہی تو اُس کے پندرہ منٹ بعد ہم شہر میں داخل ہو جائیں گے۔" ذکریا نے پرمود سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اگلی پوسٹ پر اتنی آسانی سے گلو خلاصی نہیں ہو سکے گی۔"

"آپ مجھے ڈرا رہے ہیں۔" ذکریا ہنسا۔

"نہیں میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ ہوشیار رہیں۔" پرمود نے کہا اور پھر اُسے یہ بھی بتایا کہ اُسے اگلی پوسٹ پر خطرے کا زیادہ امکان کیوں نظر آ رہا ہے۔

"کیا ہوا ذکریا؟" ٹرک کے عقبی حصّے سے کوئی بولا۔

"ہم پہلی چیکنگ پوسٹ سے گزر گئے ہیں۔" ذکریا نے جواب دیا۔ "یہاں کسی قسم کی بھی پوچھ گچھ نہیں ہوئی، اس لیے ممکن ہے آج کل اگلی پوسٹ پر سختی سے چیکنگ کی جاتی ہو۔ پوری طرح ہوشیار رہنا!"

"ان حالات میں ہم میں سے کون ہوگا جو ہوشیار نہ ہو۔"

"میں نے احتیاطاً یہ بات کہہ دی تھی۔"

"ٹھیک ہے!"

وہ لوگ آپس میں باتیں کرتے رہے لیکن پرمود خاموش رہا۔ اب

وہ سوچ رہا تھا کہ اس مرتبہ ہو جانے والی گڑبڑ کی وجہ سے پانچویں جہاز کا اسلحہ نستران پہنچانے کے لیے کوئی دوسرا ہی طریقہ کار اختیار کیا جائے گا۔ بنجاروں کے قافلے کی آڑ میں اب کام نہیں کیا جاسکتا۔

تویلی کے زمیندار نے غیر متوقع طور پر ٹرکوں کے نہ پہنچنے سے سمجھ ہی لیا ہوگا کہ معاملہ کچھ گڑبڑ ہوگیا ہے۔ اِس کے علاوہ سُرخ تنظیم کے جو جاسوس اِس علاقے میں پھیلے ہوئے تھے انھوں نے بھی دیکھ ہی لیا ہوگا کہ کیا گڑبڑ ہوئی ہے۔ شاید اب تک تنظیم کے ہیڈ کوارٹر کو اِس گڑبڑ سے آگاہ بھی کیا جا چکا ہوگا۔ وہ لوگ اِس کی اطلاع بلگارنوی حکومت کو دے دیں گے اور پھر پانچویں جہاز کا اسلحہ نستران پہنچانے کے لیے کوئی دُوسری تدبیر سوچی جائے گی۔ پرمود سگریٹ پیتا رہا اور خیالات میں کھویا رہا۔

اُفقِ مشرق کی سفیدی صبح کی آمد کا پتا دے رہی تھی۔ اوائلِ شب سے لے کر اب تک اُن لوگوں نے نہ تو کچھ کھایا تھا اور نہ ہی پیاس بُجھائی تھی، لہٰذا اب اُن لوگوں کی یہ دونوں خواہشات بیدار ہو رہی تھیں۔

آدھے گھنٹے میں اچھی طرح اُجالا پھیل گیا اور سڑک دُور تک چمکتی ہوئی دکھائی دینے لگی۔

دفعتہً ٹرک کے عقبی حصے سے کسی نے ذکریا کو آواز دی۔

"کیا ہے؟" ذکریا نے کہا۔

"دو ٹرک ہمارے پیچھے آرہے ہیں۔"

ذکریا نے عقب نما آئینے کی طرف دیکھا۔ دو ٹرک نظر آئے۔

"وہ ابھی کافی دُور ہیں۔" ذکریا نے کہا۔

"رفتار کم کردو! انھیں آگے نکل جانے دو۔" پرمود بولا۔ ذکریا نے رفتار کم کردی۔

"کہیں یہ ٹرک . . . ."

"خواہ مخواہ اندیشوں میں پڑنا بیکار ہے۔" پرمود نے ذکریا کی بات کاٹ دی۔ "اِس سڑک سے گاڑیاں گزرتی ہی ہوں گی۔"

ذکریا چپ ہوگیا۔

ذرا ہی دیر بعد عقب سے آنے والے دونوں ٹرک اُن کے برابر سے نکلے۔ اُس میں بیٹھے ہوئے فوجیوں نے اُن کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ ہلایا۔ پرمود اور ذکریا نے بھی ہاتھ ہلا دیے۔ دونوں ٹرک تیز رفتاری کے ساتھ آگے نکل گئے۔

"ظاہر ہے کہ یہ ہمیں اپنی ہی فوج سے متعلق سمجھے ہوں گے۔" پرمود نے مسکرا کر کہا۔

اُس صورت میں وہ ہرگز نہ مسکراتا اگر اُسے معجزانہ طور پر یہ بات معلوم ہو جاتی کہ اُن ٹرکوں میں بیٹھے ہوئے فوجی مستقبل قریب میں اُن لوگوں کی مصیبت کا باعث ہونے والے ہیں۔

ذرا ہی دیر میں وہ دونوں ٹرک نظروں سے اُوجھل ہوگئے اور پرمود نے کہا۔ "ذکریا! ٹرک روک دو!"

"کیوں! اب کیا بات ہے؟"

"ٹرک اب میں چلاؤں گا۔ تم بھی عقبی حصے میں چلے جاؤ، کیونکہ تم راجیشیائی زبان نہیں بول سکتے۔"

ذکریا نے اِس انداز میں اپنے سر کو اثباتی حرکت دی جیسے پرمود کی بات سمجھ گیا ہو۔ اُس نے ٹرک روک دیا۔

"مگر کینوس کے کسی سوراخ سے برابر دیکھتے رہنا کہ حالات کیا ہیں۔" پرمود نے اُسے تاکید کی۔

"ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر ذکریا عقبی حصے میں چلا گیا اور پرمود نے ڈرائیونگ سنبھال لی۔ ٹرک پھر تیز رفتاری کے ساتھ چکنی سڑک پر دوڑنے لگا۔ پرمود نے اپنے بائیں ہاتھ کے ناخنوں سے اپنے چہرے پر دو ایک خراشیں لگائیں اور بالوں کو پیشانی پر بکھیر لیا۔ اب اُسے دیکھنے والے یہ باور کرسکتے تھے کہ وہ کسی سے لڑا جھگڑا ہے۔

غیر ارادی طور پر ایک خراش زیادہ گہری آگئی جس سے خون بہہ نکلا۔ پرمود نے اُسے اپنی آستین سے پونچھا۔ پتا نہیں اُس کے ذہن میں کیا منصوبہ تھا۔

ایک گھنٹے تک ٹرک فراٹے بھرتا رہا اور پھر پرمود کو کافی فاصلے پر نیلے رنگ کی ایک چھوٹی سی عمارت دکھائی دی۔

"ذکریا!" پرمود نے آواز دی۔

فوراً ہی عقبی حصے سے جواب ملا اور پرمود نے اُسے نیلی عمارت کے بارے میں بتایا۔

"وہی چیکنگ پوسٹ ہے۔" ذکریا نے بتایا۔

"اچھا . . . اب تم لوگ بالکل خاموش رہنا۔ اُس وقت تک کوئی آواز نہ ہو جب تک میں تم لوگوں کو نہ پکاروں۔"

"اچھا! لیکن اگر شناختی کارڈ طلب کیا گیا تو؟"

"بس دیکھتے رہو۔" پرمود کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک معنی خیز لکیر اُبھری۔

●

چیکنگ پوسٹ کی ایک منزلہ عمارت اتنی بڑی تھی کہ اُس میں تین کمرے لازماً ہوں گے۔

یہاں پر راستہ بند کرنے کے لیے لکڑی کی بجائے لوہے کا کھمبا لگا ہوا تھا۔ اُس کے بائیں سرے پر اُسے اُٹھانے اور گرانے کے میکنزم کی چرخی لگی ہوئی تھی۔ اُس کے قریب ایک عام فوجی اور ایک سارجنٹ

کھڑے ہوئے تھے۔ وہیں ایک موٹر سائیکل بھی موجود تھی۔ اُس فوجی سپاہی اور سارجنٹ کے علاوہ اگر اُس پوسٹ پر کچھ اور آدمی بھی تھے تو وہ یقیناً عمارت میں ہوں گے۔ باہر تو اُن دونوں کے علاوہ کوئی نہ تھا۔

پرمود نے ٹرک روکتے روکتے ماحول کا پوری طرح جائزہ لے لیا۔

ملٹری سارجنٹ ٹرک کی طرف بڑھا لیکن اُس کے قریب آنے سے پہلے ہی پرمود ٹرک سے اُتر پڑا اور لپکتا ہوا اُس کے قریب پہنچا پھر اُس نے اُسے فوجی انداز میں سلیوٹ کیا اور پھر راجستھانی زبان میں جلدی جلدی بولا۔ "جناب مجھے ہیڈ کوارٹر فون کرنا ہے۔ ایک اہم اطلاع پہنچانا ہے۔ کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیں گے؟"

"میرے ساتھ آؤ!" سارجنٹ نے کہا اور ٹرک پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر عمارت کی طرف مڑ گیا۔ پھر پلٹ کر سپاہی سے بولا۔ "اگر کوئی گاڑی آتی دکھائی دے تو مجھے اندر سے بُلا لینا۔"

"یس سر!"

سارجنٹ پرمود کو لے کر عمارت کے ایک کمرے میں داخل ہوا۔ یہاں دو فوجی مختلف میزوں پر کام کر رہے تھے۔ تیسری میز خالی پڑی تھی۔ اُسی پر ٹیلیفون موجود تھا۔

"ٹیلی فون کر لو!" سارجنٹ نے پرمود سے کہا۔

"شکریہ جناب!" پرمود نے یہ کہتے ہوئے ریسیور اُٹھایا اور پھر تیزی سے نمبر ڈائل کرتے وقت اِس طرح کھڑا ہوا کہ سارجنٹ کی نظر ٹیلیفون کے ڈائل پر نہ پڑ سکے۔ اِس سے اُس کا مقصد یہ تھا کہ سارجنٹ وہ نمبر نہ دیکھ سکے جو اُس نے ڈائل کیے تھے، کیونکہ وہ نمبر لڑھی ہیڈ کوارٹر کے علاوہ کسی کے بھی ہو سکتے تھے۔

"ہاں . . . . میں سات چھ دو پانچ تین سے بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے ٹیلیفون پر آواز آئی۔ لب و لہجے اور زبان کے اعتبار سے وہ عورت گجارتی کی باشندہ ہو سکتی تھی۔

پرمود نے راجستھانی زبان میں جلدی جلدی کہنا شروع کیا۔

"میں سولجر مائیکل بول رہا ہوں، ٹرک نمبر ای ایل۔ سات نو گیارہ کا ڈرائیور! رپورٹ دینا ہے کہ میں اور میرے ساتھی جب ٹرکوں پر نسترن کی طرف آ رہے تھے تو سڑک کے بیچ میں کھڑے ہوئے ایک سارجنٹ نے ہمیں روکا۔ پھر جیسے ہی ہمارے ٹرک رُکے بائیں طرف کی چٹانوں سے پندرہ بیس نقاب پوش نکل آئے۔ اُن کے ہاتھوں میں ٹامی گنز تھیں۔ ہمیں ٹرکوں سے اُتار لیا گیا لیکن اُترتے ہی ہم لوگ اُن پر ٹوٹ پڑے۔"

"کون ہو تم؟ کیا بکواس کر رہے ہو؟" میں تمہارا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکی۔" دوسری طرف سے ناخوشگوار لہجے میں کہا گیا لیکن پرمود اس دوران میں بھی چُپ نہ ہوا اور کہتا رہا۔

"اُن لوگوں نے گولیاں برسا دیں۔ میرا خیال ہے کہ میرے دس بارہ ساتھی وہیں ہلاک ہو گئے تھے کیونکہ میں نے اُن کی چیخیں سُنی تھیں۔ پھر میری کنپٹی پر دشمنوں میں سے کسی کا گھونسہ پڑا اور میں بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو صبح ہو چکی تھی اور میں ایک اجنبی مقام پر پڑا ہوا تھا۔ آٹھوں ٹرک وہیں موجود تھے لیکن میرے علاوہ کوئی آدمی نہیں تھا۔ میری جیبوں سے تمام چیزیں غائب تھیں۔ رومال . . . . بٹوہ . . . . اور . . شناختی کارڈ۔"

پرمود نے محسوس کیا کہ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔

"اب میں قریب کی ایک چیکنگ پوسٹ سے یہ اطلاع دے رہا ہوں اور اُس کے فوراً بعد ہیڈ کوارٹر پہنچوں گا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ نامعلوم نقاب پوش میرا شناختی کارڈ بھی کیوں نکال لے گئے۔ جی نہیں . . . بس یہی اطلاع دینا تھی . . . میں ابھی ہیڈ کوارٹر پہنچ رہا ہوں۔"

پرمود ریسیور رکھ کر بڑے اطمینان سے مُڑا تھا لیکن دوسرے ہی ثانیے میں اُس کے ذہن کو جیسے الیکٹرک شاک لگا۔ سارجنٹ کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور اُس کا رُخ پرمود کے سینے کی طرف۔ میزوں پر کام کرنے والے دونوں فوجی حیرت سے اُن کی طرف دیکھنے لگے۔

"تو تمہارے پاس شناختی کارڈ نہیں ہے؟" سارجنٹ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک سفاک سی لکیر اُبھری۔

"جی ہاں!" پرمود نے اپنے چہرے یا آواز سے ذرا بھی گھبراہٹ نہیں ظاہر ہونے دی۔ "لیکن جناب . . . ."

"بکواس!" سارجنٹ نے درشت لہجے میں کہا۔ "مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو؟"

"سولجر مائیکل . . . . میں ٹرک نمبر . . . ."

"کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں گولی مار دوں!" سارجنٹ غرایا اور پھر دفعتہً مسکرا پڑا۔ اُس کے بعد بولا۔ "میں یقیناً دھوکا کھا جاتا اور شناختی کارڈ دیکھے بغیر تمہیں جانے کی اجازت دے دیتا لیکن تمہاری بدقسمتی سے ذرا ہی دیر قبل یہاں سے دو ٹرک گزرے تھے۔ وہ لوگ آپس میں جو باتیں کر رہے تھے اُس سے مجھے اندازہ ہوا تھا کہ اُن کے پیچھے آنے والے ٹرک میں دو آدمی ہیں لیکن تم نے ابھی فون پر کسی نامعلوم آدمی سے گفتگو کرتے ہوئے یہ ظاہر کیا ہے کہ تم اکیلے ہو۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ابھی تم نے ملٹری ہیڈ کوارٹر سے گفتگو نہیں کی تھی۔ اب تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ مجھے اپنے بارے میں بتاؤ اور یہ بھی بتاؤ کہ تم نے اپنے ساتھی کو کہاں چھپایا ہے؟ میرا خیال ہے کہ وہ ٹرک کے پچھلے حصّے میں ہوگا۔"

پرمود اب بھی نہ گھبرایا اور اطمینان سے بولا۔ "غالباً آپ غلط فہمی کا شکار ہیں جناب! ہو سکتا ہے آپ کو کسی ایسے ٹرک کے بارے میں اطلاع

رہی ہو جس میں دو آدمی ہوں لیکن وہ کوئی دوسرا ٹرک بھی ہو سکتا ہے۔ میں بہت تیز رفتاری سے آیا ہوں اور مجھے دو جگہ ٹرک دکھائی دیے تھے۔ ممکن ہے کہ آپ کو ملنے والی اطلاع انہی میں سے کسی ٹرک کے بارے میں ہو۔"

"بکواس کیے جاؤ گے۔" سارجنٹ پھر غرایا اور پھر میزوں پر بیٹھے ہوئے فوجیوں سے بولا۔ "جاؤ دیکھو! میرا خیال ہے کہ اس کا ساتھی ٹرک کے عقبی حصے میں چھپا ہوگا۔ اپنی گنیں ساتھ لے جاؤ!"

دونوں فوجی اٹھے اور ٹامی گنیں سنبھالتے ہوئے تیزی سے باہر نکل گئے۔

اس موقع پر پرمود نے اپنے جسم میں اضطراب کی لہریں پیدا ہوتی محسوس کیں لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ سارجنٹ کے ریوالور کی نال خوفناک انداز میں اس کے سینے کی طرف تک رہی تھی اور خود سارجنٹ پوری طرح چوکنا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارا تعلق سرخ تنظیم سے ہوگا۔" سارجنٹ پرمود کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا تھا۔

"میں پھر عرض کروں گا کہ آپ غلط فہمی کا شکار ہیں۔"

"خیر! یہ ابھی معلوم ہو جائے گا۔ اگر ٹرک سے تمہارا ساتھی نہ ملا تو میں ہیڈ کوارٹر فون کر کے معلوم کر لوں گا کہ ابھی انہیں مائیکل سولجر کی طرف سے کوئی رپورٹ ملی ہے یا نہیں! میرا خیال ہے کہ مجھے نفی میں جواب . . . ارے!" سارجنٹ اچھل پڑا۔

باہر سے بے تحاشہ گولیاں چلنے کی آوازیں آئی تھیں۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ ٹامی گنیں بیک وقت گرج رہی ہیں۔ انہی کی آوازیں سن کر سارجنٹ چونکا تھا اور چند ثانیوں کے لیے اس کی توجہ پرمود کی طرف سے ہٹ گئی تھی۔ بس یہی موقع پرمود کے لیے راہ نجات بن گیا۔ اس نے چیتے کی طرح جست لگائی اور سارجنٹ پر اس طرح جا پڑا کہ دایاں ہاتھ اس کے ریوالور پر پڑا تھا۔ ریوالور فرش پر گر کر پھسلتا ہوا ایک میز کے نیچے چلا گیا۔ پرمود نے سارجنٹ کو گرا لیا اور اب اس کی کوشش تھی کہ کلائی کے ایک ہی وار سے سارجنٹ کی گردن توڑ دے لیکن وہ آسانی سے اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ سارجنٹ بھی لڑائی بھڑائی میں کافی تیز معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے دو مرتبہ پرمود کا وار خالی دیا۔

باہر اب سناٹا چھا گیا تھا۔ گولیاں چلنا اب بند ہو گئی تھیں۔ پرمود نے سارجنٹ کی ناک پر ٹکر رسید کر کے اس کی نکسیر پھوڑ دی۔ خون بہہ نکلا اور اسی وقت پرمود نے اس کی گردن پر بھی وار کر دیا۔ ہڈی ٹوٹنے کی آواز خود اس نے بھی سنی اور سارجنٹ کا جسم بے حس و حرکت ہو گیا۔ اسی ثانیے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں قریب آتی معلوم ہوئیں اور پرمود نے جلدی سے ایک میز گرا کر اس کی آڑ لے لی۔ اب وہ آسانی سے دشمن کے ہتھے نہیں چڑھ سکتا تھا لیکن جو آدمی کمرے میں داخل ہوا وہ اس کے ساتھیوں میں سے ہی ایک تھا۔

"ارے . . . تم!" پرمود میز کے پیچھے سے نکل آیا۔

نووارد کے ہاتھ میں ٹامی گن تھی۔ اس نے ایک نظر سارجنٹ کی لاش پر ڈالی اور پھر پرمود سے بولا۔ "اب جلدی سے نکل چلیے۔ ہم نے ان تینوں کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔"

پرمود اس کے ساتھ دوڑتا ہوا باہر نکلا۔ ذکریا اور اس کے تمام ساتھی ٹرک کے باہر کھڑے ہوئے تھے۔ ٹرک کے قریب ان دونوں فوجیوں کی لاشیں پڑی تھیں جنہیں سارجنٹ نے بھیجا تھا۔ تیسری لاش اس سپاہی کی تھی جو راہ روک کے میکنزم کے پاس کھڑا تھا۔ اس کی لاش اسی جگہ پڑی ہوئی تھی۔

"پہلے ان لاشوں کو چوکی کے اندر لے جا کر ڈال دو!" پرمود نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "انہیں یہاں چھوڑنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہوگا۔ جلدی کرو!"

تین آدمیوں نے لاشیں اٹھائیں اور عمارت کی طرف دوڑ گئے۔

"یہ جو خون کے دھبے پڑ گئے ہیں انہیں مٹی سے چھپا دو!" پرمود نے دوسروں سے کہا۔ "اس کے بعد ہم یہ راہ روک اوپر اٹھا کر اس کے میکنزم کی چرخی باندھ دیں گے تا کہ راستہ پھر بند نہ ہو اور جو گاڑیاں یہاں آئیں وہ رکے بغیر نکل جائیں، اگر کوئی یہاں رک گیا تو کسی کو باہر نہ دیکھ کر عمارت میں جائے گا اور وہاں لاشیں دیکھ کر فوراً ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دے گا۔ پھر فوراً ہی ہماری تلاش شروع ہو جائے گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ ان لاشوں کے بارے میں کسی کو جلدی پتا نہ چل سکے۔"

کچھ آدمی جلدی جلدی مٹی سمیٹ کر خون کے دھبوں پر ڈالنے لگے۔

"شاید تم نے مجھے بتایا تھا کہ یہاں پانچ آدمی ہوں گے۔" پرمود نے ذکریا سے کہا۔ "لیکن یہ تو صرف چار ہی تھے۔"

"ہو سکتا ہے کہ اب چار ہی ہوتے ہوں۔" ذکریا نے کہا اور پھر بولا۔ "آپ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا؟"

"اوہ! شاید کوئی گاڑی ادھر آ رہی ہے۔" پرمود ذکریا کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے چونک کر بولا۔

کافی فاصلے پر ایک متحرک دھبہ دکھائی دے رہا تھا۔

"جلدی کرو۔ تم سب ٹرک میں سوار ہو جاؤ!" پرمود نے کہا۔
اتنی دیر میں خون کے دھبّوں کو مٹّی سے چھپایا جا چکا تھا اور وہ تینوں آدمیوں کی لاشیں عمارت میں ڈال کر آ گئے تھے۔

وہ سب ٹرک کی طرف جھپٹے۔

"کیا راہ روک آپ اُٹھائیں گے؟" ذکریا رُک کر پرمود سے بولا۔

"ہاں! لیکن ابھی نہیں۔ پہلے اس گاڑی کو گزر جانے دو! جلد بازی کھیل بگاڑ دے گی۔"

"پھر آپ کیا کریں گے؟"

"جلدی کرو۔" پرمود جھنجھلا گیا۔ "ٹرک میں جاؤ!"

ذکریا لپک کر ٹرک کی ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔

آنے والی گاڑی ایک جیپ تھی۔ وہ ٹرک کے برابر سے نکل کر آہنی راہ روک کے بالکل قریب پہنچ کر رُکی۔ پرمود اطمینان سے چلتا ہوا اُس کے قریب پہنچا۔

جیپ میں ایک کرنل اور اُس کے ڈرائیور کے علاوہ کوئی نہ تھا۔

"جلدی کھولو! کیا تم اندھے ہو۔" کرنل نے غصیلی آواز میں کہا۔

"یس سر!" پرمود نے ایڑیاں بجائیں اور دوڑ کر میکنزم کی چرخی کے قریب گیا۔

راہ روک کے اوپر اُٹھتے ہی جیپ نے اپنی جگہ سے حرکت کی لیکن کرنل کے اشارے پر ڈرائیور نے اُسے پھر روک دیا۔

"سارجنٹ کہاں ہے!" کرنل نے پرمود کو گھورتے ہوئے کہا۔

"وہ اندر ہیں جناب... لیوٹیری..." پرمود نے جواب دیا۔

"ہوں... اچھا... چلو ڈرائیور!"

جیپ آگے بڑھی اور فراٹے بھرتی ہوئی دور نکل گئی۔ ذکریا ٹرک سے اُتر کر تیزی سے پرمود کے قریب آیا۔

"کمال کی جرأت مندی کا مظاہرہ کیا ہے آپ نے۔" وہ پرمود کو تعریفی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ پھر اُس نے کہا۔ "کیوں نہ ہم لوگ پیاس بجھا لیں۔ عمارت میں پانی ضرور ہو گا... اور... ہو سکتا ہے کہ کھانے کو بھی کچھ مل جائے۔"

"اوں... ہاں... ہو سکتا ہے... دیکھ لو... مگر تم اکیلے جاؤ عمارت میں... دوسروں کو ٹرک ہی میں رہنا چاہیے۔"

ذکریا نے ٹرک کے قریب جا کر اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا اور پھر تیزی سے عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ پرمود نے راستہ پھر بند کر دیا اور اس انداز میں وہاں کھڑا رہا جیسے ڈیوٹی پر ہو۔

### ۸ کا ہندسہ

معتصم باللہ، حضرت عبّاسؓ علم دار کی آٹھویں نسل میں سے تھا۔ اُس نے آٹھ سال آٹھ ماہ اور آٹھ دن خلافت کی۔ وہ خاندانِ عبّاسیہ کا آٹھواں خلیفہ گزرا ہے۔
وہ اپنے باپ الرّشید کے بیٹوں میں آٹھواں تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو اُس نے آٹھ بیٹے اور آٹھ بیٹیاں چھوڑیں۔ اُس نے اسّی لاکھ دینار اور ایک سو اٹھارہ لاکھ درہم خزانہ عامرہ میں چھوڑے۔ اُس نے آٹھ ہزار غلام اور اٹھارہ ہزار گھوڑے چھوڑے۔ اُس نے اپنے دورِ حکومت میں آٹھ جنگیں لڑیں اور جیتیں۔ وہ سال ۲۲۷ھ کے ربیع الاوّل ختم ہونے سے آٹھ دن پہلے ہی مر گیا۔

ابوظفر زین

عمارت میں کھانے کا اتنا سامان مل گیا تھا کہ ناشتہ تو ہو ہی گیا۔ پانی پی کر وہ سب اپنے آپ کو بے حد چاق و چوبند محسوس کرنے لگے تھے۔

اُسی وقت شہر کی جانب سے ایک ٹرک آتا دکھائی دیا۔ وہ راہ روک کے قریب پہنچ کر رُک گیا۔ پرمود اطمینان سے آگے بڑھ کر اُس کی ڈرائیونگ سیٹ والی کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔ ڈرائیور کے برابر میں دو فوجی بیٹھے تھے۔ ڈرائیور نے پرمود کے بولنے سے پہلے ہی شناختی کارڈ نکال کر پرمود کو دے دیا اور مُسکرا کر بولا۔ "آج سارجنٹ صاحب نہیں ہیں؟"

"وہ عمارت میں ہیں۔" پرمود نے شناختی کارڈ پر لگی ہوئی تصویر سے ڈرائیور کا موازنہ کیا اور پھر کارڈ واپس کر کے چرخی کے پاس گیا۔ راہ روک کے اُٹھتے ہی ٹرک حرکت میں آیا اور آگے نکلا چلا گیا۔

پرمود نے ذکریا کو ایک کام سے عمارت میں بھیجا تھا۔ ٹرک کی آواز سُن کر وہ اندر ہی رُک گیا تھا۔ ٹرک چلے جانے کے بعد وہ باہر نکلا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا تار تھا۔ وہ اُس نے پرمود کو دیتے ہوئے کہا۔

"رسّی تو نہیں ملی لیکن میرا خیال ہے کہ اس سے بھی کام نکل جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" پرمود اُس کے ہاتھ سے تار لے کر چرخی کو اس طرح باندھنے لگا کہ وہ گھوم نہ سکے اور راہ روک کا آہنی کھمبا اوپر اُٹھا رہے۔

پرمود کا انداز کار اتنا پُرسکون تھا کہ ذکریا اور اُس کے ساتھیوں کے حوصلے بھی بلند ہو گئے تھے۔ اُن سبھی کے چہروں پر ایسا اطمینان تھا جیسے وہ اس چیکنگ پوسٹ کے عملے سے متعلق ہوں۔ چرخی کو باندھنے کے بعد پرمود اور ذکریا ٹرک کی طرف بڑھے۔ اس مرتبہ پرمود نے ذکریا کو اپنے برابر ہی میں بٹھایا تھا۔

"تم مجھے راستے کے بارے میں بتاتے رہنا۔" پرمود نے اُس سے کہا اور انجن اسٹارٹ کیا۔

ٹرک چل پڑا اور ذرا ہی دیر میں وہ چیکنگ پوسٹ کو بہت پیچھے چھوڑ چکے تھے۔

"مجھے جنرل شیرازی کے پاس پہنچنا ہے۔" پرمود نے ذکریا سے کہا۔

"میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ملیں گے؟"

"لیکن مجھے یہی بتایا تھا کہ وہ نسترن میں ملیں گے۔"

"یہ تو مجھے بھی معلوم ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ وہ نسترن میں کس جگہ ہوں گے۔ خیر آپ فکر نہ کیجیے، میں اِس کا بندوبست کر دوں گا کہ آپ جنرل تک پہنچ جائیں۔"

"آج کل شہزادہ حیات کہاں ہیں؟"

"اُن کے بارے میں بہت کم لوگوں کو معلوم رہتا ہے۔"

"ہوں۔"

پھر دس بارہ منٹ تک وہ دونوں خاموش رہے۔

"ہم اب شہر کے قریب .... اوہ .... یہ کیا؟" ذکریا چونک پڑا۔

پرمود نے ٹرک کو ایک موڑ پر گھمایا تھا اور اُس طرف مُڑتے ہی کچھ فاصلے پر دو ٹرک اِس طرح کھڑے نظر آ رہے تھے کہ راستہ مسدود ہو گیا تھا۔

خطرہ! پرمود چیخا۔

بریک پر اُس نے بڑا شدید دباؤ ڈالا تھا۔ بریکس کی ہر چرچراہٹ کسی نسوانی چیخ کی طرح دُور تک پھیلی اور ٹرک اِس طرح رُکا کہ وہ دونوں ٹرک اُس سے پندرہ بیس فٹ کے فاصلے پر رہ گئے۔

"ہمارے پیچھے ایک بکتر بند گاڑی ہے۔" عقبی حصّے سے کسی نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

عقب نما آئینے میں وہ بکتر بند گاڑی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ٹرک سے کچھ ہی فاصلے پر رُکی۔ اُس سے ایک مشین گن کا دہانہ جھانک رہا تھا۔

"مارے گئے۔" ذکریا کے مُنہ سے نکلا۔

سڑک کی بائیں جانب گہری کھائی تھی اور دائیں جانب اونچے نیچے ٹیلے، جن پر ٹرک کو چڑھا دیا جاتا تو اُس کا اُلٹ جانا یقینی تھا۔

بکتر بند گاڑی میں سے کسی نے مائک پر کہا۔ "اگر بھاگنے کی کوشش کی تو مشین گن تم لوگوں کو بھون کر رکھ دے گی۔ بہتری اِسی میں ہے کہ ہاتھ اُٹھا کر نیچے اُتر آؤ!"

پرمود نے اِس قلیل وقفے میں ماحول پر ایک گہری نظر ڈال لی تھی اور اندازہ کر لیا تھا کہ اِس وقت بھاگنے کی کوشش موت ہی کا سبب بن سکتی ہے۔

"چلو اُترو!" پرمود نے ذکریا سے کہا۔ اُس کی آواز سے کسی قسم کی گھبراہٹ نہیں ہو رہی تھی۔

ذکریا نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور پرمود کے ساتھ نیچے اُتر گیا۔ دونوں نے اپنے ہاتھ اوپر اُٹھا لیے تھے۔

"ٹھیک ہے۔" وہی آواز پھر سُنائی دی۔ "اب اگر ٹرک کے عقبی حصّے میں بھی کوئی ہو تو نیچے اُتر آؤ!"

"اور کوئی نہیں ہے۔" پرمود نے بلند آواز میں کہا۔

"اچھی بات ہے، تو پھر ہم مشین گن سے عقبی حصّے پر فائرنگ کر کے اپنا اطمینان کیے لیتے ہیں۔"

مشین گن کے دہانے نے خطرناک انداز میں حرکت کی اور اُس نے ٹرک کے عقبی حصّے میں لگے ہوئے کینوس کے وسط کو نشانہ بنایا۔ صاف ظاہر تھا کہ مشین گن کی گولیاں کینوس کو پھاڑ کر اندر بیٹھے ہوئے تمام آدمیوں کو چاٹ جائیں۔

"ٹھہرو!" پرمود چیخا۔ "فائرنگ مت کرنا!"

"اِس کا مطلب ہے کہ ٹرک میں کوئی ہے۔"

"باہر آ جاؤ ساتھیو!" پرمود نے بلند آواز میں کہا۔

پھر کینوس اُٹھا اور وہ سب ہاتھ اُٹھائے نیچے اُتر آئے۔

اُسی وقت ٹیلوں کے عقب سے کچھ فوجی دوڑتے ہوئے قریب آ گئے۔ اُن کے ہاتھوں میں ٹامی گنز تھیں۔ اُن لوگوں میں پرمود کو وہ کرنل بھی دکھائی دیا جس کی جیپ چیکنگ پوسٹ سے گزری تھی۔ سارا معاملہ پرمود کی سمجھ میں آ گیا۔

صورتِ حال ایسی تھی کہ وہ کچھ بھی نہ کر سکے اور اُن سب کی تلاشی لے کر اُنھیں غیر مسلح کر دیا گیا۔ پھر ٹرک میں سوار ہونے کا حکم ملا تھا۔ جب وہ ٹرک کے عقبی حصّے پر چڑھ گئے تو کینوس کو رسّیوں سے مضبوطی کے ساتھ باندھ دیا گیا۔

ٹرک چل پڑا۔ پرمود نے کینوس کے ایک سوراخ سے جھانک کر دیکھا۔ ایک ٹرک پیچھے چل رہا تھا۔ دُوسرا ٹرک اور بکتر بند گاڑی ممکن ہے آگے ہوں۔ پرمود طویل سانس لے کر ایک طرف بیٹھ گیا۔

"سمجھ میں نہیں آتا یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔" ذکریا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیا تم نے اُس کرنل کو نہیں پہچانا؟ اُس کی جیپ چیکنگ پوسٹ

سے گزری تھی۔ ممکن ہے کہ اُسے سارجنٹ کی عدم موجودگی پر شک ہو گیا ہو۔ اُس کی جیب میں وائرلیس لگا ہوا تھا۔ اُس نے اِس بات کی اطلاع ہیڈ کوارٹر کو دی ہو گی پھر ممکن ہے کہ ہیڈ کوارٹر سے چیکنگ پوسٹ فون کیا گیا ہو۔ فون کی گھنٹی اُس وقت بجی ہو گی جب ہم لوگ وہاں سے چل پڑے تھے۔ جب وہاں سے جواب نہ ملا ہو گا تو اُن کے شبہات مضبوط ہو گئے ہوں گے اور پھر دس پندرہ منٹ کے اندر ہم لوگوں کو گھیرنے کی تیاری مکمل ہو جانا کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔"

ذکریا چُپ رہا۔ پرمود نے جو کچھ کہا وہ قرینِ قیاس تھا۔

"کیا ہمیں ہیڈ کوارٹر لے جایا جا رہا ہے؟" پرمود کچھ دیر بعد بولا۔

"میں اِس کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں!"

اُنھیں بس آدھے گھنٹے تک چلنا پڑا تھا۔ پھر ٹرک رُکا اور کینوس کھول کر اُنھیں رائفلوں کی چھاؤں میں نیچے اُتار لیا گیا۔

یہ بھی پہاڑی علاقے کا کوئی ویران مقام تھا جہاں ایک چھوٹے سے میدان میں دو منزلہ عمارت بنی ہوئی تھی۔ اُس کے گرد لوہے کے ستون گاڑ کر خاردار تاروں کی باڑھ لگائی گئی تھی۔ اُس میں ایک طرف لکڑی کا پھاٹک لگا ہوا تھا۔

"تم لوگوں میں سے کسی ایک کو جواب دہی کے لیے کمانڈر کے پاس چلنا ہے۔" ایک ملٹری آفیسر نے بلند آواز میں اُن سے کہا۔

فوراً ہی پرمود آگے بڑھ کر بولا "میں چلتا ہوں۔"

ذکریا نے کچھ کہنا چاہا لیکن اُس کا مُنہ کُھلتے ہی پرمود نے اُسے آنکھ کے اشارے سے چُپ کر دیا۔

"میرے ساتھ آؤ!" آفیسر نے پرمود سے کہا اور عمارت کی طرف بڑھا۔

دو فوجیوں نے رائفل کی نالیں پرمود کی کمر سے لگا دیں اور اُسے دھکیلا۔

عمارت میں داخل ہونے کے بعد زینے طے کیے گئے۔ دوسری منزل کے ایک کمرے کے سامنے وہ آفیسر رُک گیا۔ اُس نے دروازے پر دستک دی۔

"آ جاؤ!" اندر سے آواز آئی۔

کمانڈر ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ اُس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر بڑی اور پھٹی پھٹی سی تھیں۔

پرمود اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا رہا۔ اُس کے عقب میں دونوں فوجی اب بھی موجود تھے اور اُن کی رائفلیں اُس کی طرف تنی ہوئی تھیں۔

"تمھارا تعلق سُرخ تنظیم سے ہے؟" کمانڈر کھرکھراتی ہوئی آواز میں بولا۔ یہ جملہ اُس نے گلبار زبان میں کہا تھا مگر لہجے سے یہ بات صاف ظاہر ہو گئی تھی کہ وہ اہلِ زبان نہیں ہے۔

"ہاں!" پرمود نے بلا تامّل جواب دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ نفی میں جواب دینے سے کمانڈر کو اُس پر یقین نہیں آئے گا۔

"باقی ساتوں ٹرک میدان میں کیوں چھوڑ دیے گئے تھے؟"

"میں نہیں جانتا کہ اُنھیں وہاں کس نے چھوڑا تھا۔ ہم اُدھر سے گزرے تھے اور ہمیں ایک ٹرک کی ضرورت تھی، اِس لیے ہم وہ ٹرک لے کر چل پڑے۔"

"وردیاں تم لوگوں کے پاس کیسے آئیں؟"

"یہ ہماری ذاتی ملکیت ہیں۔"

"ہڈیوں سے گوشت الگ کر دیا جائے گا۔" کمانڈر غرّایا۔ "خیریت اِسی میں ہے کہ ہمارے اُن آدمیوں کے بارے میں بتا دو جو اُن ٹرکوں میں تھے۔"

"ہمیں کسی آدمی کا علم نہیں۔"

کمانڈر کینہ توز نظروں سے اُسے گھورتا رہا اور پھر میز پر گھونسہ مار کر بولا "لے جاؤ!... بند کر دو!"

پرمود کو کمرے سے باہر لایا گیا۔ وہ زینے طے کر کے عمارت کے پچھلے حصّے میں آئے۔ ایک دروازہ کھولا گیا اور پرمود کو اندر دھکیل کر بند کر دیا گیا۔

یہ ایک وسیع و عریض ہال تھا جس کے فرش پر ٹاٹ بچھا ہوا تھا۔ یہاں تیس پینتیس آدمی نظر آئے۔ اُن میں دو عورتیں بھی تھیں اور پرمود کے ساتھی بھی۔ ساتھیوں کے علاوہ جو لوگ تھے وہ بھی قیدی ہی ہو سکتے تھے۔ اُنھوں نے پرمود کی طرف دیکھا مگر کچھ بولے نہیں۔ وہ نڈھال سے دکھائی دے رہے تھے۔ ممکن ہے وہ یہاں کافی عرصے سے قید ہوں۔ بعض چہرے تو برسوں کے بیمار معلوم ہو رہے تھے۔

اتنے بڑے ہال میں روشنی کا کوئی معقول بندوبست نہ تھا۔ ایک طرف کی دیوار میں چار روشندان تھے۔ بس انھی سے روشنی آ رہی تھی لیکن وہ اتنے بڑے ہال کے لیے ناکافی تھی۔

دروازے دو تھے۔ ایک وہ جس سے پرمود داخل ہوا اور دوسرا دروازہ سامنے والی دیوار میں تھا۔

ذکریا کے ساتھی ایک ہی جگہ جمع تھے مگر اُن میں ذکریا نہ دکھائی دیا۔ پرمود نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور اُن لوگوں کے قریب پہنچ کر بولا۔ "ذکریا کہاں ہے؟"

"آپ کے جانے کے دو منٹ بعد ہی اُسے بھی عمارت میں لے جایا گیا تھا اور ہم لوگوں کو اِس ہال میں پہنچا دیا گیا۔"

پرمود نے سوچا کہ ہوسکتا ہے اُسے بھی کمانڈر کے پاس لے جایا گیا ہو۔ وہ لوگ دو آدمیوں سے الگ الگ بیان لینا چاہتے ہوں تاکہ جھوٹ سچ کا اندازہ ہو جائے۔ پرمود کا بیان وہ لے ہی چکے تھے۔ ذکریا کو ان باتوں کا علم نہ تھا، اِس لیے وہ کوئی دوسری کہانی سناتا۔ اِس طرح وہ لوگ سمجھ جاتے کہ انھیں اصل بات نہیں بتائی گئی ہے۔

یہ ساری باتیں فوراً ہی پرمود کے ذہن میں آگئیں لیکن اُسے ذرا بھی تشویش نہیں ہوئی۔ اُس نے اپنے دل میں کہا کہ میرے بیان پر کمانڈر کو یقین آیا ہی کب تھا جو ذکریا کے متضاد بیان سے شکست ہو جاتا۔

ذکریا کے ساتھی پرمود سے پوچھنے لگے کہ اُسے کہاں لے جایا گیا تھا۔ جواب میں پرمود نے اپنی اور کمانڈر کی گفتگو کا اعادہ کیا، پھر ہال میں موجود دیگر افراد کی طرف اشارہ کر کے بولا ”یہ لوگ کون ہیں؟“

”قریب کے ایک دیہات میں رہنے والے! انھیں اِس شبہے میں گرفتار کیا گیا ہے کہ یہ بھی سُرخ تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ دونوں ہی لڑکیاں گاؤں کے قریب رہنے والے ایک جاگیردار کی ہیں۔ اِن کے باپ کو اُن ظالموں نے قتل کر دیا ہے۔“

”اوہ!“ پرمود نے ترحم آمیز نظروں سے لڑکیوں کی طرف دیکھا جو گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھیں۔

”اِن سب لوگوں پر بے انتہا ظلم کیے جا چکے ہیں۔“

”اِن لڑکیوں پر بھی؟“ پرمود نے پوچھا۔

”ہاں! آپ کے آنے سے پہلے میں اِن لوگوں میں سے ایک آدمی سے پوچھ گچھ کر رہا تھا۔ اُسی نے مجھے بتایا ہے کہ لڑکیوں پر کوڑے برسائے گئے ہیں۔“

”ہوں!“ پرمود نے اتنی زور سے دانت پر دانت جمائے کہ جبڑوں کی ہڈیاں اُبھر آئیں۔ جب اس قسم کے واقعات اس کے سامنے آتے تھے تو وہ سلگ اُٹھتا تھا اور اُس کے ذہن میں راجیشیا کے لیے نفرت کا جو لاوا اُبل رہا تھا اس کی حدّت و شدّت میں اضافہ ہو جاتا تھا۔

ذرا دیر میں ذکریا بھی وہاں آگیا۔ اُسے بھی دو سنتری ہال میں دھکا دے کر گئے تھے اور دروازہ پھر بند کر دیا گیا تھا۔

ذکریا نے جلدی سے پرمود سے پوچھا ”آپ نے کمانڈر سے کیا کہا تھا؟“

پرمود نے جو کچھ کہا تھا وہ دُہرا دیا اور پھر مسکرا کر بولا ”تم نے کوئی اور کہانی سُنائی ہوگی، کیوں؟“

ذکریا نے طویل سانس لی، پھر بولا ” اچھا ہوا کہ میں نے اُس کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا۔“

”کیا مطلب؟“

”میں بالکل خاموش رہا تھا۔ میں نے اُس سے صاف کہہ دیا تھا کہ میں اُس کے کسی سوال کا جواب دینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ میں سمجھ گیا تھا کہ پہلے آپ کا بیان لیا گیا ہوگا اور اگر بیانات میں تضاد ہوا تو مصیبت ہو جائے گی۔“

”وہ مصیبت تو اب بھی ہوگی۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ وہ لوگ ہماری کسی فرضی کہانی پر یقین کر لیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ ذکریا نے اپنے سر کو اثباتی حرکت دی۔ ”اُس نے مجھ سے دھمکانے والے انداز میں کہا تھا کہ بالآخر ہمیں زبان کھولنا ہی پڑے گی۔“

”لہٰذا ہمیں تشدّد برداشت کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔“

”ہونہہ!“ ذکریا کے چہرے پر حقارت آمیز تاثرات اُبھرے۔

پرمود ہال میں چاروں طرف ٹہلنے لگا۔ تھوڑی دیر کے لیے وہ، ہال کے دونوں دروازوں پر رُکا اور ایسی آہٹیں سنیں جیسے دروازوں کے باہر دو سنتری پہرہ دے رہے ہوں۔

ہال کی چھت کافی بلند تھی۔ اِسی مناسبت سے روشندان بھی کافی اونچائی پر تھے۔ بظاہر ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہاں سے فرار ناممکن ہو۔ پرمود اپنے ساتھیوں کے قریب جا کر بیٹھ گیا اور سگریٹ نکال کر جلائی، پھر لیٹ بھی گیا۔ وہ دو راتوں سے جاگ رہا تھا۔

ایک بجے کے قریب کچھ فوجی کھانا لے کر آئے جو تمام قیدیوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اِس تقسیم کے دوران میں چار ٹامی گن بردار سنتری ہال کے چاروں کونوں پر کھڑے رہے تھے۔

پھر رات ہوئی اور ہال کی چھت کے وسط میں لگا ہوا بلب جل اُٹھا۔ وہ ایک سو بیس والٹ کا بلب تھا جس سے ہال اچھی طرح روشن نہ ہو سکا۔

رات کو قیدیوں کے لیے کھانا پھر آیا۔ دوپہر کی طرح اُس وقت بھی اُبلی ہوئی دال اور باسی روٹیاں تھیں۔

اُس کے آدھے گھنٹے بعد چند فوجی پھر آئے اور اِس مرتبہ وہ ذکریا کے تین ساتھیوں کو لے گئے۔

جاتے وقت اُن تینوں نے الوداع کہنے والے انداز میں ہاتھ ہلائے تھے اور اُن کے ہونٹوں پر پھیکی پھیکی سی مسکراہٹیں تھیں۔

پرمود تشویش کُن نظروں سے انھیں جاتے دیکھتا رہا۔ اُس کے لیے بھی یہ سمجھنا دشوار نہ تھا کہ اُن تینوں کو لے جانے کا مقصد کیا ہوگا! تشدّد اور کچھ نہیں!

ذکریا کے ساتھی بہت بے چین نظر آنے لگے لیکن پرمود بڑے سکون سے سوچ رہا تھا کہ اِس صورتِ حال سے مفر کس طرح ممکن ہے؟ بظاہر تو کوئی صورت سامنے نہیں تھی لیکن پرمود مایوس نہ تھا۔ مایوسی اُس

کے نزدیک سب سے بڑا گناہ تھی اور اِس بات پر اُس کا ایمان تھا کہ جو مایوس نہیں ہوتا وہ ناکام نہیں ہوتا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ قیدی ایک ایک کر کے لیٹنے لگے۔ انہی میں ذکریا کے ساتھی بھی تھے۔ دونوں لڑکیاں ایک گوشے میں جا لیٹی تھیں۔

آدھی رات کے وقت جب بہت کم لوگ جاگ رہے تھے، ہال کا دروازہ کھُلا۔ جو جاگ رہے تھے وہ چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ ذکریا کے تینوں ساتھیوں کو اندر دھکیل کر دروازہ بند کر دیا گیا۔ وہ تینوں دروازے کے قریب ہی ڈھیر ہو گئے۔ اُن کے جسم پر صرف پتلونیں تھیں، اوپری جسم ننگے اور خون میں ڈوبے ہوئے تھے۔

پرمود اور ذکریا کے ساتھی اُن کی طرف جھپٹے۔ وہ تینوں بے ہوش تھے۔ اُن کی آنکھیں نکال لی گئی تھیں۔ جسم پر کوڑوں کے نشانات کے علاوہ دو دو انچ گہرے زخموں کے نشانات تھے۔ خون بہت زیادہ بہہ چکا تھا اور برابر بہہ رہا تھا۔ اُن کی سانسیں اُکھڑی اُکھڑی چل رہی تھیں۔ ذرا ہی دیر میں انھوں نے دَم توڑ دیا۔

ذکریا اور اُس کے ساتھیوں کی آنکھوں میں آنسو تھے لیکن پرمود کا چہرہ تپتے ہوئے لوہے کی مانند سُرخ ہو گیا تھا۔ یہ درندگی دیکھ کر اس کی رگوں میں جیسے پگھلی ہوئی آگ تیرنے لگی تھی۔

"یہ خون... یہ خون رائیگاں نہیں جائے گا،" پرمود ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑایا۔ "یہ خون گلبار کی آزادی کا عنوان بن رہا ہے۔ اِس خون سے ایک نئی تاریخ مرتّب ہو گی... یہ خون... یہ..." شدّتِ جذبات سے پرمود کی آواز اُس کے حلق میں گھٹ کر رہ گئی لیکن اُس کے چہرے کے تاثرات اب بھی چیخ رہے تھے۔

یہ خون رنگ لائے گا، یہ خون رنگ لائے گا، رنگ لائے گا۔

صبح ہونے پر وہ درندے لاشوں کو اُٹھا لے گئے۔

اگلی دو راتوں میں ذکریا کے چھ ساتھی اور کام آ گئے۔ انھیں بھی اُسی وقت ہال میں واپس بھیجا گیا تھا جب وہ قریب المرگ ہو گئے تھے اور صبح ہونے پر اُن کی لاشیں بھی اُٹھوالی گئی تھیں۔ غالباً انھیں قریب المرگ حالت میں اِس لیے بھیجا جاتا تھا کہ دوسرے اُن کے کربناک انجام سے خائف ہو کر سب کچھ اُگل دیں لیکن ذکریا اور اُس کے ساتھیوں کے چہرے سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ موت کا استقبال کرنے کے لیے تیار ہیں۔

پرمود کو اب تک فرار کا کوئی امکان نہیں نظر آیا تھا۔ لڑ بھڑ کر نکل جانے کے امکانات بھی نہیں تھے کیونکہ جب ہال کا دروازہ کھُلتا تھا تو سب سے پہلے چار ٹامی گن والے اندر آتے تھے اور چاروں کونوں پر کھڑے ہو جاتے تھے۔

آج یہاں آئے ہوئے انھیں چوتھا دِن تھا اور پرمود کے علاوہ شاید سبھی سوچ رہے تھے کہ دیکھو آج کس کس کی باری آتی ہے۔

ذکریا کے نو ساتھیوں کی کربناک موت دیکھ کر وہ دونوں لڑکیاں بہت دہشت زدہ ہو گئی تھیں۔ وہ ہر وقت چُپ رہتیں۔ دوسروں نے بتایا کہ شروع میں وہ ہر وقت رویا کرتی تھیں لیکن اِدھر ایک ہفتے سے شاید انھیں رونا بھی یاد نہیں رہا تھا۔ اب وہ ایک ایک شخص کو پاگلوں کی طرح تکتی رہتی تھیں۔ غنیمت تھا کہ سچ مچ پاگل نہیں ہو گئی تھیں۔

اِسی دِن شام کو اُن لوگوں میں ایک قیدی کا اضافہ ہوا۔ یہ ایک جوان لڑکی تھی۔ وہ چُست قسم کے مردانے لباس میں تھی۔ پرمود سے اُس کی نظر ملی اور وہ چونک پڑی۔ یہی حال پرمود کا ہوا کیونکہ وہ جنرل شیرازی کی لڑکی سامعہ تھی۔

ذکریا اور اُس کے ساتھیوں کے چہروں پر ایسا کوئی تاثر نہ اُبھرا جس سے ظاہر ہوتا کہ وہ سامعہ کو جانتے ہیں۔

سامعہ تیزی سے چلتی ہوئی پرمود کے قریب آئی اور اُس کے مُنہ سے حیرت زدہ سی آواز نکلی "تم؟"

پرمود کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک مدھم سی لکیر پیدا ہوئی اور اُس نے کہا "میں بھی تمھیں دیکھ کر حیران ہوا ہوں۔ توقع نہیں تھی کہ اس طرح ملاقات ہو گی۔" ذکریا اور اُس کے ساتھی حیرت سے اُن کی طرف دیکھنے لگے۔ "مگر تم اِن درندوں کے چنگل میں کیسے پھنس گئیں؟" پرمود نے سوال کیا۔

"بس پھنس ہی گئی۔" سامعہ نے کہا۔ اُس کے چہرے سے خوف یا گھبراہٹ کے تاثرات ہویدا نہ تھے۔ اُس نے پرمود کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی "میرے ساتھ آؤ!"

وہ اُسے ہال کے ایک گوشے میں لے گئی جہاں سے اُن کی آوازیں دوسروں تک نہیں جا سکتی تھیں لیکن وہ لوگ اُنہی دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"یہاں کسی پر یہ بات ظاہر نہیں ہونا چاہیے کہ میں کون ہوں،" سامعہ نے پرمود سے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ دشمن کو بھی اِس بات کا علم ہو جائے۔ اگر ایسا

ہوگیا تو وہ مجھ سے پاپا کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے میری ہڈیوں سے گوشت الگ کردیں گے۔ خیر میں موت سے تو نہیں ڈرتی لیکن میری یہ خواہش ضرور ہے کہ دو دن اور زندہ رہ جاؤں۔ صرف دو دن، تاکہ راجیشیائی استعمار کو پارہ پارہ ہوتے دیکھ سکوں۔"

"اوہ!" پرمود نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔ "تو کیا...."

"ہاں!" سامعہ نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "سارے انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔ پرسوں رات گلبار پر راجیشیائی استعمار کی آخری رات ہوگی۔ چوتھے جہاز کا اسلحہ بھی پہنچ چکا ہے۔ تم اُسی کے ساتھ تھے نا؟"

"ہاں!" پرمود نے پہلو بدلا۔ "لیکن پرسوں رات کیا ہوگا؟"

"وہی جو سُرخ تنظیم کا منتہائے مقصود ہے۔" سامعہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اُس نے ایک بار قیدیوں کی طرف دیکھا اور پھر پرمود پر نظر گاڑ کر بولی۔ "خبردار!... یہاں پر کسی کو بھی اِس کا علم نہیں ہونا چاہیے۔"

"مگر اِن قیدیوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کا تعلق تمھاری تنظیم سے ہے۔"

"کون کون؟"

پرمود نے ذکریا اور اُس کے ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"لیکن یہ لوگ تمھیں نہیں پہچانتے۔"

"یہی اچھا ہے۔ بہرحال تم انھیں بھی میرے بارے میں نہ بتانا۔" سامعہ نے کہا۔ "غالباً یہ وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ تم نے ٹرکوں پر اسلحہ لاد کر پہنچایا تھا۔"

"تمھیں اُس کے بارے میں معلوم ہے؟"

"پاپا کو معلوم ہوا تھا، اِس لیے مجھے بھی معلوم ہوگیا۔ تم لوگوں پر کیا گزری تھی؟"

پرمود نے مختصر طور پر سب کچھ بتا دیا جسے سُن کر سامعہ نے اپنے سر کو اثباتی حرکت دی۔

"غالباً میری حکومت کو بھی اِس سے آگاہ کیا جا چکا ہوگا؟" پرمود نے پوچھا۔

"ہاں! وہ تو ناگزیر تھا۔ پانچواں جہاز اب کافی دِن بعد آتا، کوئی دوسرا طریقۂ کار سوچ لینے کے بعد۔ لیکن پاپا اب زیادہ انتظار نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ روز بروز گلبار پر راجیشیائی فوج کا تسلط بڑھتا جا رہا ہے اور گلبار کی فوج گھٹ رہی ہے۔ اِس سے پہلے کہ گلبار کی فوج کا خاتمہ ہو جائے ہمیں اپنا آخری کام کر گزرنا ہے۔ ہم لوگوں نے اپنے ہنگاموں سے یہاں کی کٹھ پتلی حکومت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں اور اب وہ وقت آگیا ہے کہ آخری وار کر کے اس کا شیرازہ بکھیر دیا جائے۔ کاش میں کل رات آزاد ہوتی۔ میں خود بھی اِس آخری مہم میں شامل ہونا چاہتی تھی۔"

"لیکن تم پھنس کیسے گئیں؟"

"بھونار کی پہاڑیوں میں ہمارا ایک سینٹر ہے۔ گزشتہ دو روز سے وہاں کا ٹرانسمیٹر خاموش ہے۔ کوشش کے باوجود اُس سے رابطہ قائم نہیں ہو سکا تھا، اِس لیے میں وہاں کے حالات کا جائزہ لینے روانہ ہوئی تھی لیکن راستے میں اِن کمبختوں نے پکڑ لیا۔"

یہ سب کچھ سامعہ نے اتنی لاپروائی سے کہا تھا کہ پرمود حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس نے ایسی لڑکی اپنی ساری زندگی میں نہیں دیکھی تھی۔ ایک ظالم و جابر دشمن کے چنگل میں پھنس جانے کے باوجود وہ اتنی مطمئن تھی جیسے کوئی خاص بات نہ ہو۔

پرمود کو نہ جانے کیوں اُس پر غصہ آنے لگا۔ بھلا کیا ضرورت تھی اتنی خطرناک مہم پر اکیلے چل پڑنے کی!

"کیا جنرل کو تمھاری اِس مہم کا علم تھا؟"

"نہیں!" سامعہ نے جواب دیا۔ "وہ اِس معاملے کو زیادہ اہمیت نہیں دے رہے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ وہاں کا ٹرانسمیٹر خراب ہو گیا ہوگا اور دوسری صورت یہ ممکن تھی کہ وہ سب دشمن کے ہتھے چڑھ گئے ہوں اور سینٹر تباہ ہو گیا ہو۔ لہٰذا اب وہاں کسی کو بھیجنا پاپا کی دانست میں غیر ضروری بھی تھا اور خطرناک بھی۔"

"لیکن تم پھر بھی چل پڑیں!" پرمود نے منہ بنا کر کہا۔

سامعہ اُسے اِس انداز میں گھورنے لگی جیسے چھوٹتے ہی کہہ بیٹھے گی۔ پھر تم سے مطلب؟ لیکن وہ خاموش ہی رہی۔ پھر اس نے لاپروائی سے اپنے شانے اچکائے اور چاروں طرف نظر دوڑانے لگی۔ وہ دونوں لڑکیوں کو دیکھ کر چونکی اور پرمود سے بولی۔ "یہ کون ہیں؟"

"قیدیوں کے علاوہ کون ہو سکتی ہیں!" پرمود نے جواب دیا اور پھر سامعہ کے مزید استفسار پر لڑکیوں کے بارے میں وہ سب کچھ بتا دیا جو اُسے معلوم تھا۔

"کل رات کے لیے تمھارے پاپا کی اسکیم کیا ہے؟" پرمود نے سوال کیا۔

"ٹھہرو! میں ذرا اِن لڑکیوں سے بات کر لوں۔"

سامعہ ان دونوں کی طرف بڑھتی چلی گئی اور پرمود الجھن میں رہ گیا۔ وہ جنرل شیرازی کا پروگرام معلوم کرنا چاہتا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ذکریا وغیرہ کے قریب پہنچ گیا۔

"یہ کون ہے؟" ذکریا نے مدھم لہجے میں پوچھا۔

"ایک کریک لڑکی!" پرمود نے منہ بنا کر جواب دیا۔

"آپ ہماری طرف اشارہ کر کے اِس سے کچھ کہہ رہے تھے۔"

"ہاں میں اُسے بتا رہا تھا کہ تم لوگ میرے ساتھ ہو۔"

"لیکن وہ ہے کون؟"

"فی الحال تم لوگوں کو اُس کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔" پرمود نے کہا۔

ذکریا اور اُس کے ساتھی، پرمود کو عجیب نظروں سے دیکھنے لگے۔ سامعہ اُن دونوں لڑکیوں کے پاس بیٹھی شاید انھیں تسلی دے رہی

مسلسل ...

تھی لیکن وہ دونوں خاموش تھیں۔

پرمود اُس آخری ضرب کے بارے میں سوچنے لگا جو پرسوں رات سُرخ تنظیم کی طرف سے گلبار کی کٹھ پتلی حکومت پر لگائی جانے والی تھی۔ نہ جانے وہ ضرب کس قسم کی ہوتی!

تھوڑی دیر میں قیدیوں کے لیے کھانا آ گیا۔

اُسی رات ذکریا کے تین ساتھی اور کم ہو گئے۔ جس وقت اُنھیں لے جایا گیا تھا، اُن کے چہرے سفید پڑ گئے تھے لیکن آنکھوں میں ناقابلِ شکست عزم تھا۔ وہ اِس شان سے موت سے گلے ملنے چلے تھے کہ دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہوں گے۔

اُن تینوں کے قریب المرگ جسم واپس نہیں ہوئے۔ شاید وہ تینوں تشدد کے دوران میں چل بسے ہوں گے اور اُن کی لاشیں قید خانے میں بھیجنا غیر ضروری سمجھا گیا ہوگا یا ممکن ہے کوئی دوسری وجہ ہو۔

اگلے دِن پرمود سوچ رہا تھا کہ قدرت اُنھی لوگوں کا ساتھ دیتی ہے جو کچھ کر گزرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اب کچھ کرنا ہی چاہیے۔

لیکن یہ سب کچھ تو پرمود کئی دن سے سوچ رہا تھا۔ اصل بات تو یہ تھی کہ کیا کرنا چاہیے اور یہی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

ذکریا کے بارہ ساتھی زندگی کی سرحد پار کر چکے تھے جو باقی رہ گئے تھے، اُن کا بھی اِن حالات میں موت سے جا ملنا یقینی امر دکھائی دے رہا تھا۔ بس یہ بات کسی کو نہیں معلوم تھی کہ پہلے کس کا نمبر آئے گا اور بعد میں کس کا!

اُس دن سامعہ بھی تمام وقت غور و فکر میں غلطاں و پیچاں نظر آتی رہی لیکن اُس کی آنکھوں میں سراسیمگی کا شائبہ بھی نہ تھا۔

رات کے لیے پرمود کی اُس سے کوئی تفصیلی گفتگو نہیں ہوئی تھی اِس لیے یہ سوال اب بھی پرمود کے ذہن میں چکرا رہا تھا کہ سُرخ تنظیم آج رات گلبار کی کٹھ پتلی حکومت کے خلاف کیا قدم اُٹھانے والی ہے۔

دوسرے قیدی جو یہاں پہلے ہی سے موجود تھے، ذکریا کے بارہ ساتھیوں کی دردناک موت سے متاثر و مغموم ہوئے تھے اور انھوں نے کئی مرتبہ راجیشیائی درندوں کی بربریت پر غم و غصّے کا اظہار کیا تھا۔

اُس رات کھانے کے آدھے گھنٹے بعد موت کا فرشتہ ہال میں داخل ہوا جو راجیشیائی فوجیوں کا روپ دھارے ہوئے تھا۔

چار ٹامی گن والے ہال کے کونوں پر کھڑے ہو گئے۔ ایک افسر اپنے ہاتھ میں ریوالور سنبھالے پرمود وغیرہ کے قریب پہنچ کر رُکا اور اُنھیں گھورتا ہوا بولا۔ "کیا تم لوگوں کو ابھی تک عقل نہیں آئی؟"

## سیون اپ

گزشتہ دِنوں حلقۂ اربابِ الف لیلہ چکن تکّے اُڑانے ایک ہوٹل میں جمع ہوتے۔ تکّے اُڑانے کے بعد سیون اَپ چلا جسے گلاسوں میں انڈیل کر پینے والوں کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ ایک اجنبی ہوٹل میں داخل ہُوا اور تیزی سے اُس میز کی طرف بڑھا جہاں اربابِ الف لیلہ سیون اَپ پی کر مرغی ہضم کرنے کے سامان کر رہے تھے۔ اُس اجنبی نے ایک شخص کے سامنے رکھا ہُوا گلاس اٹھا لیا۔ اُس شخص نے اجنبی کو حیرت سے دیکھا اور ابھی اِس بے تکلفی پر احتجاج کرنے ہی والا تھا کہ اجنبی نے سیون اَپ سے بھرا گلاس، قریبی واش بیسن میں انڈیل دیا۔

"ارے... ارے!" شخصِ مذکور نے احتجاجاً کہا۔

اجنبی نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ابھی دیتا ہوں نا!" یہ کہہ کر اُس نے گلاس کھنگالا، اُس میں پانی پی کر دوبارہ پانی بھرا اور پھر وہ پانی بھرا گلاس اُسی شخص کے سامنے رکھ کر یہ جا اور وہ جا۔

حامد ہاشمی

"تم اپنا فرض پورا کرو!" ذکریا نے خشک لہجے میں کہا۔

"ابھی کس بَل نکل جائیں گے۔" افسر نے الفاظ چباتے ہوئے کہا۔ "چلو!"

"کس کس کو لے چلنا چاہتے ہو؟"

تمھیں آخر میں لے جاؤں گا۔ پہلے تم اپنے تمام ساتھیوں کو مرتے دیکھ لو!"

"کیا فرق پڑتا ہے، آج یا کل! ایک نہ ایک دن تو مرنا ہی ہے۔"

"نہیں! میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ آخری رات تک تمھاری اکڑ باقی رہتی ہے یا نہیں! پرسوں رات تمھارا نمبر بھی آ ہی جائے گا۔"

اِس مرتبہ ذکریا نے کوئی جواب نہ دیا۔

پھر اُس رات کے لیے جو تین افراد منتخب ہوئے، اُن میں سامعہ بھی تھی، دوسرا پرمود اور تیسرا ذکریا کا ایک ساتھی ہشام۔

پرمود نے پہلی بار سامعہ کے چہرے پر سفیدی پھیلتے دیکھی۔ خود پرمود کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ ہشام کے چہرے پر بھی زردی پھیل گئی تھی۔

"چلو!" سامعہ اپنا سَر بلند کر کے بولی۔ "شاید تم گلبار کی عورتوں کو بزدل سمجھتے ہو گے؟"

پھر سب سے پہلے دروازے کی طرف بڑھنے والا قدم سامعہ کا تھا۔ پرمود دل ہی دِل میں اُس لڑکی کی دلیری پر عش عش کیے بغیر نہ رہ

urduromanticnovels.pk

سکا۔

وہ ہال سے باہر آئے۔ افسر آگے چل رہا تھا۔ اُس کے پیچھے پرمود، ہشام اور سامعہ برابر برابر چل رہے تھے۔ اُن کے عقب میں چاروں ٹامی گن والے فوجی تھے۔

"جناب! جناب!" پرمود ہکلاتا ہوا بولا۔ "ذرا.... ذرا سنیے!"

افسر نے مڑ کر دیکھا اور رُک گیا۔ ہشام اور سامعہ بھی پرمود کی طرف دیکھنے لگے۔

"آپ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں؟" پرمود نے بڑی لجاجت سے پوچھا۔

"جہاں تم لوگوں کی ہڈیوں کا سُرمہ بنایا جائے گا۔"

"مجھے وہاں نہ لے جاؤ، مجھے وہاں نہ لے جاؤ!" پرمود گھگھیایا۔

"میں بتا دوں گا.... مجھے جو کچھ معلوم ہے بتا دوں گا۔"

افسر غور سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ پرمود اِس طرح کانپ رہا تھا جیسے نوت کے خوف سے بُرا حال ہو۔

ہشام اور سامعہ کا مُنہ ایک بار حیرت سے کُھلا اور پھر چہرے پر غصّے کی سُرخی پیدا ہو گئی۔

"ہوں!" افسر فاتحانہ انداز میں مُسکرایا۔ "تو تمھیں عقل آ گئی!"

پرمود نے بڑے خوفزدہ سے انداز میں اپنے سر کو اثباتی حرکت دی، پھر بولا۔ "میں ابھی مرنا نہیں چاہتا۔ مجھے کمانڈر صاحب کے پاس لے چلو! میں اُنھیں سب کچھ بتا دوں گا۔ اِن دونوں کو بھی لے چلو!"

پرمود نے ہشام اور سامعہ کی طرف اشارہ کیا۔ "میں کمانڈر صاحب کو اِس لڑکی کے بارے میں بھی کچھ بتاؤں گا۔"

"غدّار، بُزدل!" سامعہ دانت پیس کر بولی۔ "میں تمھارا مُنہ نوچ لوں گی۔"

پھر شاید وہ پرمود پر جھپٹ ہی پڑتی لیکن افسر نے اُس کے ارادے کو بھانپ کر بڑی پھرتی سے اپنا ریوالور ہولسٹر سے نکال لیا اور اُسے لہرا کر بولا۔ "خبردار لڑکی! اگر تم نے کوئی ہنگامہ کرنا چاہا تو میں تمھیں گولی مار دوں گا۔"

سامعہ نے ریوالور پر ایک اُچٹتی سی نظر ڈالی اور خونخوار انداز میں پرمود کو گھورنے لگی۔ پرمود سہم کر راہداری کی دیوار سے چپک گیا تھا۔

"چلو! میں تمھیں کمانڈر کے پاس لے چلتا ہوں۔" افسر نے کہا۔

"انھیں بھی!" پرمود نے سامعہ اور ہشام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں اِس لڑکی کے بارے میں تو ایک بہت ہی خاص بات بتانا چاہتا ہوں۔"

"تم کتّے ہو۔" سامعہ بپھر کر بولی اور بے بسی سے افسر کے ریوالور کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

"ٹھیک ہے! میں تم تینوں کو لے چلتا ہوں۔" افسر نے کہا۔

پھر راستہ بدل دیا گیا اور زینے طے کر کے وہ لوگ اُوپری منزل پر پہنچے۔

افسر نے کمانڈر کے کمرے تک پہنچ کر دروازے پر دستک دی پھر پرمود سے کہا۔ "تم ابھی باہر ہی ٹھہرو گے!"

"آجاؤ!" کمرے کے اندر سے آواز آئی۔

"لیکن.... لیکن جناب....!" پرمود ہکلایا اور پھر سامعہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"اوہ! یہ تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اگر اُنھوں نے کوئی غلط حرکت کی تو اِن کے حق میں بُرا ہو گا۔" افسر نے کہا اور پھر ٹامی گن والوں کو کوئی اشارہ کر کے اپنا ریوالور ہولسٹر میں ڈالتا ہوا، کمانڈر کے کمرے میں چلا گیا۔

"میں نہیں جانتی کہ لگاتار نوی اِتنے بُزدل ہوتے ہیں!" سامعہ نے پرمود کو گھورتے ہوئے کہا۔

"میں ابھی بوڑھا نہیں ہوں کہ زندگی سے پیار نہ رہے۔"

"کتّوں کی زندگی سے بہتر ہے کہ آدمی مَر جائے۔"

پرمود کچھ نہ بولا۔ چاروں ٹامی گن والے پوری طرح الرٹ تھے۔ تھوڑی دیر بعد افسر نے کمرے کے اندر سے دروازے کو پوری طرح کھول دیا اور بولا۔ "آجاؤ۔"

کمانڈر سامنے میز کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ جب وہ سب اندر آ گئے تو افسر نے تین ٹامی گن والوں کو مُخصّص کر دیا۔ چوتھا وہیں رہا اور اُس نے اپنی پوزیشن لے لی کہ وہ پرمود وغیرہ کے سامنے رہے۔ افسر نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

پرمود، سامعہ اور ہشام افسر کے ساتھ کمانڈر کی میز کے سامنے ایک قطار سے کھڑے ہو گئے۔ افسر پرمود کے برابر میں کھڑا تھا۔

"کون ہے وہ آدمی؟" کمانڈر نے اپنی مخصوص کھرکھراتی ہوئی آواز میں افسر سے پوچھا۔

"یہ.... سر....،" افسر نے پرمود کی طرف اشارہ کیا۔

کمانڈر کی بھٹی بھٹی سی آنکھیں پرمود پر جم گئیں، اُس کے ہونٹوں پر استہزائیہ مُسکراہٹ کی لکیر کھنچ گئی۔ وہ کھرکھرایا۔ "پہلے دن تو تم میں بہت اکڑ تھی!"

پرمود نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور اُس کے بعد بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔ "پہلے میں غلطی پر تھا۔"

"خیر، بتاؤ! میں سب کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"جناب! آپ اِس لڑکی کو جانتے ہیں؟" پرمود نے سامعہ کی طرف اشارہ کیا۔

"کیوں؟ یہ کون ہے؟"

"جنرل شیرازی کی لڑکی!"

"کیا؟" کمانڈر کی پھٹی ہوئی آنکھیں اور زیادہ پھٹ گئیں۔

افسر بھی چونک کر سامعہ کی طرف دیکھنے لگا۔ سامعہ نے ہونٹ بھینچ لیے۔

یہ موقع ایسا تھا کہ چند سیکنڈ کے لیے کمانڈر اور افسر کے علاوہ ٹامی گن والے کی توجہ بھی سامعہ کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔ دُوسرے ہی ثانیے میں پرمود پھرتی سے افسر کی آڑ میں ہو گیا اور اُس نے بایاں ہاتھ آگے بڑھا کر افسر کی گردن کو اپنی کلائی اور سینے کے بیچ میں دبا لیا۔ اِس کے ساتھ ہی اُس نے دائیں ہاتھ سے افسر کا ریوالور بھی اُس کے ہولسٹر سے نکال لیا اور پلک جھپکتے میں فائر بھی کر دیا۔ ایسے مواقع پر پرمود دشمن کی پیشانی ہی کا نشانہ لیتا تھا۔ ٹامی گن والا چیخ کر گرا اور بے حس و حرکت ہو گیا۔ پرمود نے ریوالور کا رُخ کمانڈر کی طرف کرتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔ "ہینڈز اَپ! مائی ڈیئر کمانڈر!"

کمانڈر کے ہاتھ اوپر اُٹھ گئے۔ اُس کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ سامعہ اور ہشام کے مُنہ حیرت سے کُھلے کے کُھلے رہ گئے۔ افسر مچل رہا تھا لیکن پرمود کی گرفت سے نکل جانا اُس کے بس کی بات نہیں تھی۔

"سیدھے کھڑے رہو!" پرمود نے سفاک لہجے میں کہا۔ "ورنہ تم بھی اِس دُنیا میں نہ رہو گے۔"

افسر ساکت ہو گیا۔

گولی چلنے کی آواز پوری عمارت ہی میں پھیل گئی ہو گی۔ اچانک کمرے کے باہر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سُنائی دیں اور پھر کوئی دروازہ پیٹ پیٹ کر چیخنے لگا۔

"کیا ہوا، کیا ہوا کمانڈر؟"

"کچھ نہیں! سب ٹھیک ہے، جاؤ!" کمانڈر کی آواز کمرے میں گونجی۔

سامعہ اور ہشام متحیّر رہ گئے کیونکہ انھوں نے کمانڈر کے ہونٹوں میں ذرا بھی جنبش نہیں دیکھی تھی۔

"جاؤ، نیچے جاؤ!" کمانڈر کی آواز کمرے میں پھر گونجی لیکن اِس مرتبہ سامعہ اور ہشام نے دیکھ لیا کہ بولنے والا پرمود ہے۔

بلگاریوی سیکرٹ سروس میں آوازوں کی نقل اُتارنے میں ماہر افراد پرمود کو استاد مانتے تھے۔ کمرے کے باہر سناٹا چھا گیا۔ پھر باہر سے دُور جاتے ہوئے قدموں کی آوازیں سُنائی دیں۔ پرمود کی مُسکراہٹ فتح مندی کی جھلک لیے ہوئے تھی۔

"ہشام! ٹامی گن اُٹھا لو!" پرمود نے کہا۔

"اوہ!" ہشام چونک سا پڑا، پھر اُس نے جھپٹ کر ٹامی گن اُٹھالی اور اُس کا رُخ کمانڈر کی طرف کر دیا۔

اچانک پرمود نے اپنی گرفت میں پھنسے ہوئے افسر کو ایک طرف دھکیل دیا اور آہستہ سے بولا۔ "ہاتھ اُٹھائے کھڑے رہو!"

افسر نے ہاتھ اُٹھا لیے اور پرمود کی طرف دیکھتا رہا۔

اُسی وقت کمانڈر کی میز پر رکھے ہوئے دو ٹیلیفونوں میں سے ایک کا بزر بجنے لگا۔ غالباً اُسی عمارت کے کسی دُوسرے حصّے سے رِنگ کیا گیا تھا۔ پرمود نے آگے بڑھ کر ریسیور اُٹھایا اور پھر بڑے اطمینان سے کمانڈر کی آواز میں غرّا کر بولا۔ "کیا بات ہے؟"

"جناب . . . . جنابِ والا!" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"آپ کے کمرے میں گولی چلی تھی؟"

"ہاں!" پرمود نے جواب دیا۔ "میں نے اُن میں سے ایک کو ختم کر دیا ہے، کیوں؟"

"کچھ نہیں جناب! تشویش تھی اِس لیے پوچھنا چاہتا تھا۔"

"فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔" پرمود نے کمانڈر کی آواز میں کہا اور پھر بولا۔ "ہاں سُنو! تمام قیدیوں کو ایک ٹرک میں بھر دو! انھیں رسّیوں سے اچھی طرح باندھ دینا تاکہ وہ ٹرک سے نکل نہ سکیں۔ ٹرک کی اگلی نشست پر تم ڈرائیور کے ساتھ موجود رہنا۔ میری جیپ بھی دروازے پر تیار رکھو۔ میں تھوڑی دیر میں قیدیوں کو لے کر نیچے آ رہا ہوں۔ جیپ کا ڈرائیور کوئی اچھا آدمی ہونا چاہیے۔ سب انتظامات مکمل کر کے مجھے اطلاع دینا۔"

"ویری ویل سر!"

پرمود نے ریسیور رکھ دیا اور پھر گھوم کر میز کے پیچھے کمانڈر کے قریب پہنچ گیا۔

اور پھر کمانڈر کی گردن پر کلائی کا بس ایک ہی بھرپور وار! گردن کی ہڈّی ٹوٹنے کی آواز ملٹری افسر نے بھی سُنی ہو گی۔ اُس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ شاید اُسے بھی اپنی موت نظر آنے لگی تھی۔

کمانڈر کی لاش کرسی ہی پر لڑھک گئی۔ اب پرمود اُس افسر کی طرف بڑھا۔ پرمود نے اُس کا ریوالور میز پر ڈال دیا تھا۔

"نہیں . . . . نہیں . . . . !" افسر خوفزدہ آواز میں کہتا ہوا پیچھے ہٹا۔

دُوسرے ہی ثانیے میں، پرمود نے چیتے کی طرح زقند لگائی اور اُسے گرا کر اُس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔

"نج . . . ." افسر نے مدد کے لیے چیخنا چاہا تھا لیکن پرمود نے یکبارگی اُس کی گردن اتنے زور سے دبائی کہ اُس کی آواز گھُٹ کر رہ گئی۔ ذرا ہی دیر میں وہ بھی ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ ہشام اور سامعہ دم بخود کھڑے تھے۔

"اب میں کمانڈر کا لباس پہنوں گا۔" پرمود نے اُن دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور سامعہ اُس سے نظر چرانے لگی۔ شاید اُسے، اُن گالیوں کا خیال آگیا تھا جو اُس نے پرمود کو دی تھیں۔

پانچ منٹ کے اندر اندر پرمود نے کمانڈر کا لباس اُتار کر پہن لیا۔ اِس دوران میں سامعہ اور ہشام دُوسری طرف مُنہ کیے کھڑے رہے۔ کپڑے تبدیل کرنے کے بعد پرمود نے کمانڈر کی لاش میز کے نیچے ڈال دی اور پھر بڑبڑایا۔ "اب میں تیار ہوں۔"

سامعہ اور ہشام نے اُس کی طرف دیکھا۔ اُس نے اپنے فوجی کوٹ کے کالر کھڑے کر لیے تھے اور کیپ کو کسی قدر آگے جُھکا لیا تھا۔

"میں تم دونوں کو ٹامی گن کی زد میں لے کر یہاں سے نکلوں گا۔ تم دونوں مجھ سے چند قدم آگے چلنا! اِس طرح ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"لیکن جناب!" ہشام نے کہا۔ "آپ کا چہرہ کوٹ کے کالر اور ٹوپی سے کافی حد تک چھُپ گیا ہے مگر سامنے سے دیکھنے والا فوراً آپ کو پہچان لے گا۔ عمارت کے چپے چپے میں روشنی ہے۔"

"فکر مت کرو! سب ٹھیک ہو جائے گا۔" پرمود نے کہا۔ اُس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ کی معنی خیز لکیر تھی۔

اُسی وقت ٹیلیفون کا بزر بجنے لگا اور پرمود نے ریسیور اُٹھا کر کہا۔ "ہاں بولو!"

"جناب! سب کچھ تیار ہو گیا۔" دُوسری طرف سے وہی آواز آئی۔

"عمارت کا مین سوئچ آف کر دو! معمولی سی روشنی بھی نہیں ہونا چاہیے۔ ہیڈ کوارٹر سے اطلاع ملی ہے کہ سُرخ تنظیم والے اپنے قیدیوں کو چھُڑانے کی کوشش کرنے والے ہیں، اِسی لیے قیدیوں کو یہاں سے دُوسری جگہ لے جایا جا رہا ہے۔ یہاں کے تمام آدمیوں سے کہہ دو کہ پوری طرح ہوشیار رہیں۔ میں دو منٹ بعد نیچے آ رہا ہوں۔ سمجھ گئے؟"

"یس سر!"

"مین سوئچ فوراً آف کرا دو!" پرمود نے کمانڈر کے سے تحکمانہ انداز میں کہا اور سلسلہ منقطع کر کے سامعہ اور ہشام کی طرف دیکھنے لگا۔

ہشام اُسے تعریفی نظروں سے دیکھ رہا تھا لیکن سامعہ نظر ملتے ہی دوسری طرف دیکھنے لگی اور پرمود مسکرا دیا۔

●

ایک جیپ عمارت کے صدر دروازے کے عین سامنے کھڑی تھی اور اُس کا ڈرائیور اسٹیرنگ وھیل سنبھالے بیٹھا تھا۔ اُس کے قریب ہی پیچھے ایک ٹرک کھڑا تھا جس کے عقبی حصّے میں قیدیوں کو ٹھونس دیا گیا تھا۔ ایک افسر، ایک سپاہی کے ساتھ جیپ کے قریب کھڑا تھا۔

دو سنتری صدر دروازے کے دائیں بائیں کھڑے ہوئے تھے۔

پرمود جب سامعہ اور ہشام کو ٹامی گن کی زد میں لیے ہوئے دروازے سے نکلا تو دونوں سنتریوں کی ایڑیاں بج اُٹھیں۔ پرمود اُن کے سلیوٹ کے جواب میں اپنے سر کو خفیف سی جنبش دیتا ہوا آگے بڑھ گیا اور پھر دفعتہً کمانڈر کی سی آواز میں غرّایا۔ "جیپ کی طرف چلو!"

سامعہ اور ہشام جیپ کی طرف بڑھے۔ اندھیرے کی وجہ سے اُن میں سے کسی کی شکل بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ پوری عمارت میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ باہر تاروں کی مدھم سی روشنی تھی جس میں وہ سب ہیولوں کی مانند نظر آ رہے تھے۔ پرمود کو اپنے پہچان لیے جانے کا معمولی سا خدشہ اِس لیے تھا کہ اُس کے اور کمانڈر کے چلنے کے انداز میں فرق ہونا لازمی بات تھی۔ اگر کوئی اِس فرق پر غور کر لیتا تو جان بچانا مشکل ہو جاتی۔

جیپ کے قریب پہنچ کر پرمود نے کھرکھراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "لڑکی! تم ڈرائیور کے برابر میں بیٹھو!"

سامعہ نے حکم کی تعمیل کی۔ "تم کھڑے کیا کر رہے ہو؟" پرمود اُن دونوں پر بگڑ گیا جو جیپ کے قریب ہی کھڑے تھے۔

وہ دونوں ایڑیاں بجا کر جلدی سے پیچھے ہٹے اور پھر ٹرک میں جا بیٹھے۔ اُن میں سے ایک نے انجن اسٹارٹ کیا تھا۔

پرمود بلند آواز میں بولا۔ "ہیڈ لائٹس مت جلانا!"

اُسی وقت ہیڈ لائٹس جلی تھیں لیکن پرمود کا حکم ہوتے ہی اُنھیں بجھا دیا گیا۔

پرمود ہشام کو لے کر جیپ کی پچھلی نشست پر بیٹھ چکا تھا۔ اُس نے کمانڈر کی مخصوص کھرکھراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "چلو ڈرائیور!"

"کہاں چلنا ہے سر؟"

"بھونار کی پہاڑیوں کی طرف۔" پرمود نے اتنی بلند آواز میں کہا کہ صدر دروازے پر کھڑے ہوئے سنتریوں نے بھی سُن لیا ہوگا۔

جیپ کا انجن پہلے ہی اسٹارٹ ہو چکا تھا۔ حکم ہوتے ہی جیپ چل پڑی۔ اُس کے پیچھے ٹرک بھی حرکت میں آگیا۔

اب تک سارے کام اطمینان بخش طور پر ہوتے رہے تھے مگر یقین

سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ آئندہ کیا ہوگا!

تاروں کی باڑھ میں لگے ہوئے پھاٹک کے نگراں کو بھی شاید "کمانڈر" کی روانگی کا علم ہو چکا تھا اس لیے جب جیپ پھاٹک کے قریب پہنچی تو وہ کھل چکا تھا۔

جیپ اور ٹرک باہر نکلے اور ایک طرف چل پڑے۔

"تیز چلو!" پرمود نے تحکمانہ انداز میں ڈرائیور سے کہا۔ رفتار بڑھا دی گئی۔

پرمود اس وقت بیحد خوش تھا۔ دشمن کو بیوقوف بنا کر اُسے ہمیشہ بے پایاں مسرت حاصل ہوتی تھی۔ سامعہ اور ہشام اس دوران میں بالکل چُپ رہے تھے۔ پرمود کو یقین تھا کہ اس وقت اُن کے دلوں کی دھڑکنیں دوچند ہوں گی۔ جیپ اور ٹرک تھوڑے تھوڑے فاصلے سے ایک راستے پر فراٹے بھر رہے تھے۔ ہیڈ لائٹس جیپ کی بھی بجھی ہوئی تھیں لیکن تاروں کی مدھم روشنی میں راستہ دکھائی دے رہا تھا۔ ٹرک کے عقبی حصّے میں بند قیدی اس بات سے بے خبر ہوں گے کہ حالات نے ایک نئی اور سنسنی خیز کروٹ لے لی ہے۔

تقریباً پندرہ منٹ چُپ رہنے کے بعد اچانک پرمود نے کہا۔

"ڈرائیور! جیپ روکو، آہستہ آہستہ۔"

"ویری ویل سر!" ڈرائیور نے بتدریج رفتار کم کی اور بالآخر اُسے روک دیا۔

اس کی رفتار کم ہوتے دیکھ کر ٹرک کی رفتار میں بھی کمی آئی تھی اور جب وہ رک گئی تو ٹرک کو بھی رُکنا ہی تھا۔ جیپ سے اُس کا فاصلہ بارہ تیرہ فٹ تھا۔

"تم دونوں یہاں آؤ!" پرمود نے پلٹ کر ٹرک کی طرف دیکھتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔

ہشام نے محتاط انداز میں پہلو بدلا لیکن سامعہ بالکل ٹھس بیٹھی رہی۔ وہ دونوں ٹرک سے اترے اور اپنے وزنی جوتوں سے سڑک پر آواز کرتے ہوئے جیپ کے قریب آئے۔ وہ اُس سمت میں رُکے تھے جس طرف پرمود بیٹھا ہوا تھا۔

"یس سر!" ان میں سے ایک بولا۔

پرمود نے جواب دیے بغیر ٹامی گن کا رُخ اُن کی طرف کرتے ہوئے اُسے اسٹارٹ کر دیا۔

خاموش فضا میں گولیوں کی تڑاتڑ سے ایک گونج سی پیدا ہوئی اور وہ دونوں چیخیں مار کر سڑک پر گرے اور تڑپنے لگے۔ ان کے جسم گولیوں سے چھلنی ہو گئے تھے۔

جیپ کا ڈرائیور اُچھل پڑا لیکن اُسے کوئی دوسری حرکت کرنے کا

موقع نہیں مل سکا کیونکہ پرمود نے ٹامی گن ہشام کی گود میں پھینک کر اُس کی گردن دبوچ لی تھی۔

ڈرائیور تڑپا، مچلا... لیکن آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ کسی کی گردن پر مود کی گرفت میں آجانے کے بعد نکل گئی ہو۔

"ہشام!" پرمود نے ڈرائیور کی گردن دباتے ہوئے کہا "تم اپنے ساتھیوں کو دیکھو۔"

ہشام جست لگا کر جیپ سے اترا اور ٹرک کی طرف دوڑ گیا۔ پرمود نے ڈرائیور کی گردن کو آخری جھٹکا دیا اور ڈرائیور کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

"تم بالکل خاموش ہو" پرمود نے ہنس کر سامعہ سے کہا۔

"کچھ... کچھ نہیں... کوئی بات نہیں" سامعہ ہکلا گئی۔

دوسری طرف ہشام نے ٹرک کا کینوس کھول کر قیدیوں کو مژدۂ رہائی دے دیا تھا۔ وہ سب ٹرک سے کود کود کر جیپ کی طرف آئے اور پرمود نے جلدی سے کہا۔

"ارے، ارے یہ کیا ہے! سب لوگ ٹرک میں واپس جائیں، یہ کیا حماقت ہے! ذکریا تم ٹرک کی ڈرائیونگ سنبھالو، جلدی کرو اب تم اپنے ساتھیوں کے خود ذمے دار ہو۔ جیپ اور ٹرک کے راستے مختلف ہوں گے۔ جاؤ! یہ آپس میں باتیں کرنے کا موقع نہیں ہے۔"

وہ لوگ جتنی تیزی سے جیپ کی طرف آئے تھے اتنی ہی تیزی سے واپس ٹرک کی طرف چلے گئے۔ ہشام بھی انہی کے ساتھ تھا۔

پرمود نے ڈرائیور کی لاش اُٹھائی اور ٹرک کے کنارے ایک کھڈ میں ڈال دی اور پھر اچھل کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ انجن اسٹارٹ ہوا اور جیپ چل پڑی۔

"تم مجھے راستوں کے بارے میں بتاتی رہو گی" پرمود نے سامعہ سے کہا۔

"اچھا!" سامعہ نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ "ابھی تو سیدھے ہی چلو!"

پھر پندرہ منٹ تک خاموشی سے سفر جاری رہا۔ سامعہ راستے کے بارے میں بتاتی جارہی تھی۔

"ہم شہر کی طرف چل رہے ہیں نا!" پرمود نے پوچھا۔

"ہاں!"

اس کے بعد پھر کچھ دیر خاموشی رہی۔ ویران راستے پر صرف یہی ایک جیپ فراٹے بھر رہی تھی۔ ٹرک کسی اور راستے پر نکل گیا تھا۔

"کیا بات ہے؟" پرمود نے ذرا دیر بعد کہا۔ "تم بہت بجھی بجھی سی نظر آرہی ہو!"

سامعہ چند ثانیے خاموش رہی اور پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں تم سے معافی چاہتی ہوں۔"

"بری بات!" پرمود نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔ "غداروں اور بزدلوں سے معافی نہیں مانگی جاتی۔"

"تم مجھے اور شرمندہ کر رہے ہو۔"

پرمود ہنس پڑا اور پھر بولا۔ "بھول جاؤ ان باتوں کو! تمہاری جگہ کوئی بھی ہوتا وہ یہی سمجھتا۔"

"کم از کم بتا ہی دیتے کہ تمہارے ذہن میں کیا اسکیم ہے؟"

"مناسب نہیں تھا۔"

"تم نے ٹرک کو دوسری طرف کیوں بھیج دیا؟"

"اچھا ہے کہ ہم لوگ الگ الگ رہیں — اس طرح ایک خطرے میں پڑے گا تو دوسرا محفوظ رہے گا۔"

"ہوں۔"

پرمود اب قطعی مطمئن تھا۔ اس کی دانست میں اب دشمن اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا لیکن ذرا ہی دیر بعد پرمود کا یہ اطمینان پریشانی میں تبدیل ہو گیا کیونکہ جیپ کا پٹرول ختم ہو گیا تھا۔ وہ ایک مقام پر رک گئی اور جب پرمود نے سامعہ کو رکنے کی وجہ بتائی تو وہ بھی پریشان ہو گئی۔

"اُف! اب ہم وقت پر نہ پہنچ سکیں گے۔"

"وقت پر، کیا مطلب؟"

"بتاؤں گی! پہلے یہ سوچو کہ اب کیا کیا جائے؟"

"پیدل چلنے کے علاوہ کوئی صورت نہیں، لیکن میں حیران ہوں۔ کیا ڈرائیور نے روانگی کے وقت پٹرول چیک نہیں کیا ہوگا۔"

"بھونار کی پہاڑیاں وہاں سے پندرہ منٹ کے فاصلے پر ہیں اور ہمیں آدھا گھنٹہ ہو چکا ہے چلتے ہوئے۔"

"لیکن ڈرائیور کو پہلے سے نہیں معلوم تھا کہ ہمیں کہاں جانا ہے۔"

"مگر اب اس بحث سے کیا حاصل؟"

"لاحاصل!" پرمود نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "چلو اترو! لیکن جیپ کو اس جگہ چھوڑنا ٹھیک نہیں ہے۔ کیوں نہ اسے کھائی میں دھکیل دیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ یہی مناسب رہے گا۔"

سڑک کی ایک جانب گہری کھائی تھی اور دوسری طرف پہاڑی سلسلہ! پرمود اور سامعہ نے دھکا دے کر کسی نہ کسی طرح جیپ کو کھائی میں لڑھکا ہی دیا اور وہ ایک پُرشور آواز کے ساتھ سینکڑوں فٹ نیچے جاگری۔

پہاڑی علاقے کے اونچے نیچے راستوں پر چلنا آسان بات نہیں ہوتی لیکن ڈیڑھ گھنٹے تک مسلسل چلتے رہنے کے بعد بھی پرمود نے محسوس کیا کہ سامعہ زیادہ نہیں تھکی ہے۔ وہ یقیناً عام لڑکیوں سے یکسر مختلف تھی۔

"تم راستہ تو نہیں بھٹک جاؤ گی؟" پرمود بولا۔

"اس کی فکر نہ کرو! یہ سب کچھ میرا دیکھا بھالا ہے، لیکن اب میں سوچ رہی ہوں کہ مجھے سیدھا جنرل ہیڈ کوارٹر پہنچنا چاہیے۔"

"کیوں، جنرل ہیڈ کوارٹر کیوں؟"

"میں نے تمہیں بتایا تھا کہ آج رات ہم لوگ آخری کھیل کھیلنے کی تیاری مکمل کر چکے ہیں۔"

"تم نے مجھے اس کی تفصیل اب تک نہیں بتائی۔"

"آج رات میرے وطن کی سرزمین پر راجیشیائی استعمار کی آخری ہچکیاں سنائی دیں گی۔"

"تم پہیلی بوجھ رہی ہو۔"

"اچھا تو سنو!" سامعہ نے ڈرامائی انداز میں کہا۔ "آج رات گلبار کی کٹھ پتلی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے گا۔"

"اوہ!" پرمود چلتے چلتے ایک دم رکا اور پھر چلنے لگا۔ "یہ کیسے ہوگا؟"

"گلبار کی فوج کے افسران ہم سے مل چکے ہیں۔"

"کیا کمانڈر انچیف بھی؟"

"نہیں! وہ راجیشیا کا پٹھو ہے۔" سامعہ نے نفرت انگیز لہجے میں کہا۔ "ہائی کمان کے دیگر افسران ضمیر فروش ہیں۔"

"اوہ! تب تو انقلاب لانا بہت دشوار ہوگا۔"

"پاپا کو اپنی کامیابی کا یقین ہے۔ اس یقین کی وجوہات کا علم مجھے نہیں۔"

"لیکن تم جنرل ہیڈ کوارٹر کی طرف کیوں جانا چاہتی ہو؟"

"انقلاب لانے کے سلسلے میں پہلا قدم یہی ہوگا کہ جنرل ہیڈ کوارٹر پر قبضہ کر لیا جائے۔ یہ قدم آج رات ٹھیک دو بجے اٹھایا جائے گا۔ میں چاہتی ہوں کہ اُس وقت وہاں موجود رہوں۔"

"اگر ہائی کمان کو اس کا علم ہو گیا تو انقلاب کی کوشش ناکام ہو جائے گی۔" پرمود نے کہا۔

"یہ تو سامنے کی بات ہے۔" سامعہ نے کہا۔ "اور اسی لیے سارے کام بہت زیادہ رازداری اور احتیاط سے کیے گئے ہیں۔ عام فوجیوں کو پہلے سے یہ بات نہیں بتائی گئی کہ انھیں آج رات کیا کرنا ہے! یہ بات صرف افسرانِ جانتے ہیں۔ فوج کو تو اس کا علم صرف ایک گھنٹے قبل ہو گا۔ اُسی وقت جب انھیں اپنے افسر سے حکم ملے گا کہ انھیں فلاں مقام پر قبضہ کرنا ہے۔"

"اور یہ فوج خاص گلبار کی ہو گی؟"

"ظاہر ہے، راجیشیائی فوج کا کیا سوال!"

"آج کل کرفیو کا نفاذ ہے یا نہیں؟"

"نہیں! گذشتہ پندرہ دن سے ہم لوگوں نے آگ اور خون کا کھیل بند کر رکھا ہے اسی لیے کہ یہ کٹھ پتلی حکومت جب اطمینان کا سانس لے رہی ہو تو اچانک اس پر یہ بم گرے۔ ہماری اس خاموشی سے وہ لوگ سمجھے ہوں گے کہ سرخ تنظیم حوصلہ ہار چکی ہے۔"

"وہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہے۔"

"بہرحال پاپا کو اپنی کامیابی کا یقین ہے۔"

پرمود کچھ نہ بولا۔ وہ بے چین ہو گیا تھا۔ اُسے بہت کم اُمید تھی کہ یہ انقلاب کامیاب ہو سکے گا۔ ایسی صورت میں جب کہ ہائی کمان کے تمام افسرانِ مخالف ہوں انقلاب کی کامیابی بہت کٹھن معلوم ہوتی تھی۔ پتا نہیں جنرل شیرازی کس لیے اتنا مطمئن تھا!

پرمود سوچ میں ڈوبا ہوا اُونچے نیچے راستوں پر چلتا رہا۔ کبھی کبھی وہ سامعہ کو سہارا بھی دے دیتا تھا۔

"تم بہت فکرمند نظر آنے لگے۔" سامعہ بولی۔

"اوں ہوں، نہیں تو!" پرمود نے چونک کر کہا اور پھر بولا۔ "تمھارے پاپا اِس وقت بہت پریشان ہوں گے، بلکہ کل ہی سے ہوں گے۔"

"کیوں؟"

"تمھاری وجہ سے۔"

"ہو سکتا ہے وہ کل پریشان رہے ہوں لیکن اِس وقت تو انھیں یہ فکر ہو گی کہ انقلاب ناکام نہ ہو جائے۔ انھیں اپنے فرائض سے پیار ہے۔ اِس وقت اُن کے دماغ میں میرا خیال

## ایک صاحب

بینک میں ملازم تھے۔ اُنھیں بینک کی انتظامیہ نے تربیت کے لیے پیرس بھیجنے کا فیصلہ کیا اور یہ سہولت بھی دی کہ اگر وہ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ پیرس لے جانا چاہیں تو لے جا سکتے ہیں۔ اُن صاحب کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اُنھوں نے اپنے ایک دوست سے کہا۔ "میاں! پیرس جانے سے پہلے کسی اچھی سی لڑکی سے دو بول پڑھوا دو تو اُسے بھی اپنے ساتھ پیرس لے جاؤں اور دنیں ہنی مون بھی مناؤں۔" اُن کے دوست نے جواب دیا۔ "میاں! پیرس جاتے ہوئے بیوی کو ساتھ لے جانا ایسا ہی ہے جیسے ایک آدمی ہمالیہ پہاڑ پر جائے اور جاتے ہوئے اپنے ساتھ تھرموس میں احتیاطاً برف کی ڈلی بھی ڈال کر جائے۔"

---

نہ ہو گا۔"

"تم اِن باتوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔ ماں باپ کا دل ایسا نہیں ہوتا۔"

"کیا تم بال بچے دار آدمی ہو؟" سامعہ حیرت سے بولی۔ اِتنی بیسا ختگی تھی اُس کے انداز میں کہ پرمود ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ "نہیں! ابھی میری شادی بھی نہیں ہوئی۔" پرمود نے کہا۔

"پھر تم ماں باپ کے دل کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کہہ سکتے۔"

"مشاہدہ بھی کوئی چیز ہے۔"

"تم نے مجھ سے زیادہ مشاہدہ تو نہ کیا ہو گا پاپا کا؟"

"دوسرے والدین کا تو کیا ہے۔"

"پاپا دوسروں سے یکسر مختلف ہیں۔"

"خیر چھوڑو! اِس پر بحث کرنا لاحاصل ہے۔ ویسے بھی میرا اندازہ ہے کہ تم دوسروں کے دلائل سے متفق ہونا قطعی غیر ضروری اور فضول سمجھتی ہو گی۔ اوہ!"

دفعتہً پرمود چلتے چلتے رُک گیا۔ اُس نے سامعہ کا ہاتھ پکڑ کر اُسے بھی رُوک لیا تھا۔

"کیا ہے؟" سامعہ نے سرگوشی کی۔

"میں نے ابھی کسی قسم کی آواز سنی تھی۔" پرمود نے اُس کے کان کے قریب مُنہ لے جا کر مدھم سرگوشی کی۔ "لیٹ جاؤ!"

پھر وہ دونوں ہی پتھروں پر اوندھے لیٹ گئے اور ساکت پڑے رہے، ایک منٹ، دو منٹ، چار منٹ اور پھر پانچ منٹ

گزر گئے لیکن کوئی آواز نہیں سنائی دی۔

"میرا خیال ہے کہ تمھیں وہم ہوا ہوگا۔" سامعہ نے سرگوشی کی اور پھر دفعتہً اُس نے محسوس کیا کہ پرمود اُس کے قریب نہیں ہے۔ وہ پتا نہیں کب اندھیرے میں کسی طرف رینگ گیا تھا۔

سامعہ نے دائیں بائیں ہاتھ پھیلائے لیکن ٹامی گن کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ لگا۔ ٹامی گن پرمود وہیں چھوڑ گیا تھا۔ شاید اِس لیے کہ اُسے ٹامی گن کے بوجھ کی وجہ سے رینگنے میں دقت ہوتی۔ یہ وہی ٹامی گن تھی جس سے پرمود نے ٹرک ڈرائیور اور اُس کے ساتھی کو ہلاک کیا تھا۔ جیپ کھائی میں دھکیلتے وقت پرمود نے اُسے جیپ کی عقبی نشست سے اُٹھا لیا تھا اور اُن اونچے نیچے راستوں پر چلتے وقت وہ پرمود کے پاس ہی رہی تھی۔

لیکن اب وہ کہاں گیا؟ سامعہ غور سے چاروں طرف اندھیرے میں دیکھنے لگی اور اُسے کوئی نظر نہ آیا۔ پھر دفعتہً یوں لگا جیسے دو آدمی آپس میں لڑ پڑے ہوں۔ اُٹھا پٹخ اور دھینگا مشتی کی آوازیں آ رہی تھیں۔ سامعہ نے ٹامی گن سنبھالی اور حتی الامکان تیز رفتاری سے اُس طرف رینگنے لگی جدھر سے آوازیں آ رہی تھیں۔ ٹامی گن کے زمین پر ٹکرانے سے آواز پیدا ہو رہی تھی لیکن سامعہ نے اُس کی پروا نہ کی۔ اُس کی بہ نسبت کھڑے ہو کر بغیر آواز پیدا کیے چلنا زیادہ خطرناک ہوتا۔

جلد ہی وہ اُس جگہ پہنچ گئی جہاں نشیب میں دو آدمی لڑ رہے تھے۔ اندھیرے کی وجہ سے اُن میں سے کسی کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ سامعہ نے ایک بار ٹامی گن سیدھی کی لیکن پھر جھکا لی۔ اُسے یقین تھا کہ اُن میں سے ایک پرمود ہوگا لیکن اندھیرے میں اُس کے اور دشمن کے درمیان امتیاز کرنا دشوار تھا۔ وہ ٹامی گن سے گولیاں برساتی کس پر!

وہ دونوں وحشیوں کی طرح لڑ رہے تھے۔ ایک کے مُنہ سے غراہٹیں اور سسکیاں نکل رہی تھیں لیکن دوسرا خاموشی سے لڑ رہا تھا۔

کوئی پانچ منٹ بعد سامعہ نے دیکھا کہ اُن میں سے ایک زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ سامعہ نے اِس موقع پر خاموشی مناسب نہیں سمجھی کیونکہ ممکن تھا کہ ڈھیر ہونے والا ہی پرمود ہوتا۔

"خبردار! اپنے ہاتھ اُٹھا دو!" سامعہ نے للکارتے ہوئے ٹامی گن سیدھی کر لی۔

"اوہو!" ہنسنے کی آواز آئی۔ "میں جانتا ہوں تمھارے ہاتھ میں ٹامی گن ہوگی۔ میں اِسے وہیں چھوڑ آیا تھا۔"

سامعہ نے ایک طویل سانس لی کیونکہ وہ پرمود تھا۔ دوسرے ہی منٹ میں سامعہ اُس کے قریب پہنچ گئی۔

پرمود اپنے شکار کو گریبان سے پکڑ کر اُٹھاتا ہوا بولا۔ "کیا تم بیہوشی کی اداکاری کرنا چاہتے ہو؟ نہیں اِس سے کوئی فائدہ نہیں۔ تمھیں یہاں اپنی موجودگی کی وجہ بتانا ہی پڑے گی۔"

"یہ کون ہے؟" سامعہ نے مدھم لہجے میں کہا۔

"لباس سے تو فوجی ہی معلوم ہوتا ہے۔ میں نے اُس کے قدموں کی آہٹ سُنی تھی۔ میرے کانوں نے دھوکا نہیں کھایا تھا۔"

"راجیشیائی؟" سامعہ نے پوچھا۔

"ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔" پرمود نے کہا اور پھر اُس کے گریبان کو جھٹکا دیتا ہوا بولا۔ "جواب دو ورنہ پھر پٹائی شروع کر دوں گا۔"

"میں... میں سولجر ہوں۔" پرمود کا شکار ہانپتا ہوا بولا۔

"آ گئے راہِ راست پر۔ تمھارا لہجہ بتا رہا ہے کہ تم راجیشیائی ہو۔ اب یہ بھی بتا دو کہ ہمارے پیچھے کتنی دیر سے لگے ہوئے تھے؟"

وہ خاموش رہا۔ پرمود نے اُس کے سینے پر گھونسا مارا اور بولا۔ "بتاؤ!"

"میں نے... میں نے تم دونوں کو ابھی دیکھا تھا۔"

"تم نے ہماری باتیں سُنی تھیں؟"

"نہیں!"

"جھوٹ بولتے ہو۔ میں تمھارا گلا گھونٹ دوں گا۔" پرمود نے سفاک لہجے میں کہا اور اُس کی گردن پکڑ لی۔

اُس کا شکار اتنا نڈھال ہو چکا تھا کہ اب اُس میں مزاحمت کی تاب بالکل نہ رہ گئی تھی۔ وہ گڑگڑا کر بولا۔ "مجھے مت مارو! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم دونوں کی باتیں نہیں سنیں۔"

"یہاں پر تمھاری موجودگی کا مقصد؟ سچ سچ بتانا ورنہ مار ڈالوں گا۔"

"یہاں سے... دو فرلانگ دور ہمارا کیمپ ہے۔"

"تم اتنی دُور کیسے آ گئے؟"

"میں نے آج بہت دیر سے کھانا کھایا تھا۔ ٹہلتا ہوا اِدھر آ گیا۔ یہاں تم لوگ نظر آئے۔ میں نشیب میں چھپ کر تم لوگوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک تم دونوں نظروں سے اوجھل ہو گئے اور اِس کے ذرا ہی دیر بعد تم نے پیچھے سے مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں سچ کہتا ہوں اِس میں ذرا بھی جھوٹ نہیں ہے۔"

"تمہارا کیمپ کس طرف ہے؟"

فوجی نے ایک طرف اشارہ کیا اور سامعہ کی جان نکل گئی۔ وہ اور پرمود اُسی طرف تو جا رہے تھے۔

"کتنے آدمی ہیں کیمپ میں؟"

"پچاس!" جواب ملا۔

"کیا خیال ہے سامعہ!" پرمود نے کہا۔ "اسے چھوڑ دیں؟"

"ہمیں یہ خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے یہ جھوٹ بول رہا ہو اور اس نے ہماری باتیں سُنی ہوں۔"

"میں نے تم سے یہ بات یوں ہی تذکرۃً کہی تھی ورنہ میں راجیشیا کے ایک چوہے کو بھی چھوڑنا گناہ سمجھتا ہوں۔"

"نہیں، نہیں! مجھے مت مارو.... مجھے...."

لیکن پرمود اُسے گرا کر سینے پر چڑھ گیا۔ سامعہ محتاط نظر سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ دو منٹ بعد پرمود اپنے شکار کی لاش کو چھوڑ کر سیدھا کھڑا ہو گیا اور اِدھر اُدھر کچھ ڈھونڈنے لگا۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" سامعہ بولی۔

"ٹوپی!" پرمود نے جواب دیا۔ "لڑائی کے دوران میں ٹوپی، سر سے گر گئی تھی۔"

"جلدی کرو، کہیں کوئی اور نہ نکل آئے اِدھر!"

"تمہارے ہاتھ میں ٹامی گن ہے۔ مارا جاؤں گا تو میں۔" پرمود نے ہنس کر کہا۔

ایک طرف ٹوپی پڑی ہوئی مل گئی۔ پرمود نے اُسے جھاڑ کر پہن لیا اور سوجر کی لاش پر ایک اُچٹتی سی نظر ڈال کر سامعہ کا بازو پکڑتا ہوا بولا۔ "آؤ!"

"اِس وقت ہم لوگ بال بال بچے ہیں، اگر تم اس سوجر کی آہٹ نہ سُن لیتے...."

"تو دشمن کے کیمپ میں پہنچ جاتے اور ہمیں گولی مار دی جاتی۔ ہے نا!"

"اب ہمیں سڑک کی طرف سے چلنا پڑے گا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ اِدھر سے گزرنا پڑے۔"

"کیا اِن دو کے علاوہ تیسرا راستہ نہیں ہے؟"

"راستے تو بے شمار ہیں لیکن ہمیں دیر ہو جائے گی۔ ہم مقررہ وقت تک جنرل ہیڈ کوارٹر نہ پہنچ سکیں گے۔"

"لیکن یہ کیمپ۔ آخر اس مقام پر اس کے قیام کا مقصد؟"

"راجیشیائی فوج اِسی طرح جگہ جگہ کیمپ قائم کر رہی ہے۔

جس عمارت میں ہم قید تھے وہ بھی قدیم نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں خاموشی سے چلنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کچھ کسی خطرے میں پڑ جائیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔"

"تو اب سڑک ہی کی طرف سے چل رہی ہو نا؟"

"ہاں!"

"کیا تم سمجھتی ہو کہ ہم پیدل چلتے ہوئے وقتِ مقررہ پر جنرل ہیڈ کوارٹر پہنچ جائیں گے؟"

"کچھ اُمید تو ہے مجھے۔" سامعہ نے کہا۔

پھر دونوں خاموشی سے چلتے رہے اور دس منٹ میں اُس سڑک تک پہنچ گئے۔

"اوہ! شاید کوئی گاڑی آ رہی ہے۔" سامعہ چونک کر بولی۔

"ہاں!" پرمود نے بہت دُور نظر آنے والی روشنیوں پر نظر جماتے ہوئے کہا۔

"شاید یہ اُسی کیمپ کی طرف جائے جس کا ذکر اُس سوجر نے کیا تھا۔"

"ممکن ہے۔" پرمود نے کہا اور پھر دفعتہً سامعہ کا بازو دبا کر بولا۔ "اگر ہم اِس گاڑی پر قبضہ کر لیں تو وقتِ مقررہ سے کافی پہلے جنرل ہیڈ کوارٹر تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟"

"اِس گاڑی میں بیٹھے ہوئے افراد کو ختم کر کے۔"

"لیکن کیمپ یہاں سے قریب ہی ہے۔ گولیاں چلنے کی آوازیں وہاں تک پہنچ جائیں گی اور وہ لوگ اِس طرف دوڑ پڑیں گے۔ اِس کے علاوہ گاڑی کو روکا کیسے جائے گا؟"

آنے والی گاڑی کی ہیڈ لائٹس اب واضح طور پر دکھائی دینے لگی تھیں۔

"اُنھیں روکنا تو بہت آسان ہوگا۔" پرمود نے کہا۔ "تم سڑک کے وسط میں اِس طرح لیٹ جاؤ جیسے بیہوش پڑی ہو۔ وہ تمھیں دیکھ کر لازماً رکیں گے۔"

"ہماری تنظیم کے آدمی اُن لوگوں کے ساتھ کئی بار اِس قسم کی حرکتیں کر چکے ہیں اِس لیے اب وہ ہوشیار ہو گئے ہوں گے۔ شاید وہ مجھے کچلتے ہوئے نکل جائیں۔"

پرمود نے بےچینی سے پہلو بدلا۔ آنے والی کوئی جیپ تھی اور بس قریب ہی پہنچنے والی تھی۔ پرمود کو بہت جلد کوئی فیصلہ کرنا تھا۔

"اچھا تو پھر میں ہی ایسا کرتا ہوں۔" پرمود نے کہا۔ "میرے جسم پر اُن کی فوج کے ایک اعلیٰ افسر کی وردی ہے۔"

"تم انتہائی خطرناک ارادہ ظاہر کر رہے ہو!"

"اِسی طرح کام کرنے میں تو لطف آتا ہے۔ اچھا سنو! میں تمھیں بتا دوں کہ ہمیں کیا کرنا ہے!"

"لیکن ہم اُنھیں ختم کیسے کر سکتے ہیں۔ گولیوں کی آواز۔۔۔"

"تم میری بات سنو اور بیچ میں مت بولو!"

سامعہ چپ ہو گئی اور پرمود جلدی جلدی اُسے آئندہ کے لیے طریقۂ کار سمجھانے لگا۔

"ٹھیک ہے؟" پرمود نے سب کچھ بتانے کے بعد پوچھا۔

"ہاں! لیکن تم اپنے آپ کو انتہائی خطرے میں ڈال رہے ہو۔"

"پرواہ مت کرو!"

سامعہ کو چپ ہونا پڑا اور پرمود لپکتا ہوا سڑک کی طرف گیا۔ سامعہ سڑک کے کنارے ایک بڑے سے پتھر کی اوٹ میں تھی۔

پرمود نے سڑک پر اوندھا لیٹ کر اِس طرح ہاتھ پاؤں پھیلا دیے جیسے بڑے کرب کے عالم میں دم توڑا ہو۔ اُس نے اپنے سر کی پوزیشن ایسی رکھی تھی کہ اُس کی نگاہ آنے والی جیپ کی طرف رہے۔ پلکوں کے درمیان خفیف سی درز قائم کر لی تھی جس سے دیکھ سکے۔

ایک منٹ بھی نہیں گزرنے پایا تھا کہ جیپ قریب پہنچ گئی اور اُسی وقت دفعتہً پرمود کے ذہن میں ایک سوال اُبھرا۔ کیا میں اِس وقت ایک خوفناک غلطی کا مرتکب ہوا ہوں؟

جیپ کی رفتار کافی تیز تھی اور سڑک پر مکمل اندھیرا۔ وہ جیپ والوں کو اُسی وقت نظر آتا جب ہیڈ لائٹس کی روشنی اُس پر پڑتی اور اُس کے بعد بہت ممکن تھا کہ بریک لگاتے لگاتے بھی جیپ اُس پر چڑھ ہی جاتی۔ جیپ کی رفتار کا صحیح اندازہ لگائے بغیر یہ خطرناک قدم اُٹھا کر پرمود نے اپنے آپ کو ہلاکت کے مہیب غار کے دہانے پر لا کھڑا کیا تھا لیکن اب وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا، دیر ہو چکی تھی۔

ہیڈ لائٹس کی روشنی اُس پر پڑی اور دوسرے ہی ثانیے میں جیپ کے بریک بڑے خوفناک انداز میں چیخے۔ کم از کم پرمود کے لیے تو وہ آوازیں خوفناک تھیں۔ چشم زدن میں جیپ بالکل سر پر آ گئی۔

پہلی مرتبہ، زندگی میں پہلی مرتبہ پرمود کے حواس جواب دے گئے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت جیسے مفلوج ہو کر رہ گئی، لیکن یہ کیفیت چند سیکنڈ کی تھی اور پھر اُسے اِس بات کا شعور ہوا کہ جیپ رُک چکی ہے۔ اُس کا ایک پہیہ پرمود کی گردن سے بمشکل ایک فٹ کے فاصلے پر تھا۔ پرمود کے جسم کے سارے مساموں سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ پھوٹ پڑا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اُس نے اپنے آپ کو موت کے بھیانک جبڑوں سے اِتنا قریب محسوس کیا تھا۔

سڑک پر وزنی جوتوں کی آوازیں سنائی دیں۔ غالباً وہ لوگ جیپ سے اُتر آئے تھے۔

"یہ تو کوئی اپنا ہی آدمی معلوم ہوتا ہے۔" ایک آواز سنائی دی۔ راجیشیائی زبان استعمال کی گئی تھی اور لہجہ بھی وہیں کا تھا۔

پرمود دم سادھے پڑا رہا۔ اُس نے اب پوری طرح آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اگر درز قائم رکھتا تو پپوٹوں میں خفیف سی حرکت رہتی جس سے وہ لوگ مشکوک ہو جاتے۔ اُس نے محسوس کیا کہ اُن میں سے کوئی اُس پر جُھکا ہے، پھر اُس نے اپنی کلائی پر کسی کے ہاتھوں کا لمس محسوس کیا۔ اُس کی نبض دیکھی جا رہی تھی۔

"ارے! یہ تو زندہ ہے۔"

"تو پھر جیپ میں ڈالو!" دوسری آواز سنائی دی۔

پرمود کو سامعہ پر غصہ آنے لگا جس نے اب تک اپنا کام نہیں شروع کیا تھا۔

"کیا اِسے لے کر کیمپ کی طرف چلیں؟" پہلی آواز اُبھری۔

"اور کہاں جائیں گے! چلو اُٹھواؤ تو اِسے!"

"بہتر ہے کہ پہلے اپنے ہاتھ اوپر اُٹھا دو!" پرمود نے سامعہ کی آواز سُنی اور طویل سانس لے کر آنکھیں کھول دیں۔

وہ دونوں راجیشیائی فوج کے معمولی سپاہی تھے۔ وہ چونک کر مڑے اور اُنھوں نے اپنے ہاتھ اُوپر اُٹھا دیے۔ پرمود نے لیٹے ہی لیٹے ایک بھرپور انگڑائی لی اور مسکراتا ہوا اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

سامعہ نے ٹامی گن کا رُخ دونوں سپاہیوں کی طرف کر رکھا تھا۔ وہ خشک لہجے میں پرمود سے بولی: "تم زندہ ہو!"

"ہاں ابھی تو ایسا ہی ہے۔"

"میں سمجھی تھی مر گئے۔"

"سمجھا تو میں بھی تھا۔" پرمود نے ہنس کر کہا، پھر سر جھٹک کر بولا۔ "یہ خوفناک تجربہ بھی زندگی بھر یاد رہے گا۔"

دونوں فوجی خائف نظر آ رہے تھے۔

"چلو دوستو!" پرمود نے اُن سے کہا: "جیپ پر بیٹھ جاؤ!"

فوجیوں نے بے چون وچرا تعمیلِ حکم کی۔ پرمود نے انھیں پچھلی نشستوں پر بٹھایا اور سامعہ سے ٹامی گن لے کر ڈرائیونگ سیٹ کے برابر میں اِس طرح بیٹھا کہ رخ اُن فوجیوں کی طرف رہے۔

سامعہ نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا اور اُسے موڑنے لگی۔

"کیوں دوستو! تم کیمپ کی طرف جا رہے تھے؟" پرمود نے فوجیوں سے سوال کیا۔ وہ خاموش رہے۔ "جواب دو۔" پرمود غرّایا۔

"ہاں!" اُن میں سے ایک جلدی سے بولا۔

"کیوں؟"

"ہمیں ایک کام سے شہر بھیجا گیا تھا۔ وہاں سے لوٹ رہے تھے۔"

"اسی کیمپ سے تعلق ہے تمھارا؟"

"ہاں!"

پرمود نے اُن سے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ جیپ اب تیز رفتاری کے ساتھ سڑک پر فرّاٹے بھر رہی تھی۔

"تم نے اپنا کام کرنے میں دیر کر دی تھی۔" پرمود سامعہ سے بولا۔

"میرے اعصاب چند لمحات کے لیے جواب دے گئے تھے۔" سامعہ نے کہا: "چیخ نکل گئی تھی جیپ کو تمھارے اتنے قریب دیکھ کر!"

"چیخ!" پرمود نے حیرت سے کہا: "میں نے تو نہیں سُنی!"

"ہلکی سی چیخ تھی جو بریک لگنے کے شور میں دب گئی ہو گی۔ میں نے تو سمجھا تھا کہ گئے تم کام سے۔"

پرمود ہنسنے لگا۔

سامعہ بڑی تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ پرمود کو ماننا پڑا کہ وہ ہر معاملے میں مردوں کے دوش بدوش ہے۔

چھ سات منٹ بعد پرمود بولا: "بس اب روک دو!"

سنّاٹے میں بریکوں کی چیخیں دُور تک پھیلی تھیں۔ جیپ ایک ہلکے سے جھٹکے کے بعد رُک گئی اور پرمود نے فوجیوں سے کہا: "چلو، گاڑی سے اُتر جاؤ!"

کسی نامعلوم اندیشے سے فوجیوں کے چہرے زرد پڑ گئے لیکن اندھیرے میں پرمود اُن کے تاثرات نہ دیکھ سکا لیکن جب وہ گاڑی سے نہ اُترے تو پرمود غصیلی آواز میں بولا: "کیا تم نے سُنا نہیں؟"

دونوں فوجی دہشت زدہ سے انداز میں جیپ سے اُتر گئے۔

"ٹھیک۔" پرمود نے کہا: "اب سڑک کے کنارے دوسری طرف مُنہ کر کے کھڑے ہو جاؤ!"

اِس حکم کے بعد اُن فوجیوں کو اپنے انجام کے بارے میں کوئی شک باقی نہ رہا ہو گا لہٰذا اُنھوں نے بے تحاشہ پرمود پر جھپٹ پڑنا چاہا اور جلد ہی اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ ٹامی گن نے شعلے اُگل دیے تھے۔ گولیوں کی تڑاتڑ کے ساتھ اُن دونوں کی چیخیں بھی فضا میں گونجیں۔ وہ سڑک کے کنارے گر کر تڑپنے لگے اور جیپ فرّاٹے بھرتی ہوئی ان سے دُور ہوتی چلی گئی۔

"خس کم جہاں پاک!" پرمود ٹامی گن کو اپنی گود میں رکھتا ہوا بڑبڑایا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہم وقت سے کافی پہلے جنرل ہیڈ کوارٹر پہنچ جائیں گے۔" سامعہ بولی۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں! مجھے نہیں معلوم کہ یہاں سے جنرل ہیڈ کوارٹر کا فاصلہ کیا ہے! ویسے یہ ضروری نہیں ہے کہ جیسا تم کہہ رہی ہو ویسا ہی ہو۔"

"کیوں! کیا مطلب؟"

"ہو سکتا ہے کہ ہم کسی دوسری مصیبت سے دوچار ہو جائیں۔"

"کیا تم تاریک پہلو دیکھنے کے بہت زیادہ عادی ہو؟"

"نہیں! میں تمھاری اِس بات کو دوسرے الفاظ میں یوں کہوں گا کہ ایسے مواقع پر بالکل مطمئن ہو کر بیٹھ جانا بعض اوقات بڑا خطرناک ثابت ہو جاتا ہے۔"

"میں کبھی اتنی محتاط نہیں رہی۔"

"تمھاری بات اور ہے۔ یہ وقتی ہنگامی حالات ہیں جن سے تم دوچار ہو۔ اِس کے بعد تمھارے لیے سکون ہو گا اور مجھے تو زندگی ہی ایسے ہنگاموں میں گزارنا ہے۔"

"باپا نے بتایا تھا کہ تم بلگارنیہ کے سیکرٹ ایجنٹ ہو۔"

"ہاں! ایک سیکرٹ ایجنٹ کی زندگی اُس وقت تک ہنگاموں سے پُر رہتی ہے جب تک وہ کسی مہم کے دوران میں کام نہ آ جائے

اور یا پھر ریٹائر ہو جائے لیکن میں۔" پرمود نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہا۔ "لیکن میں شاید ریٹائر ہونے کے بعد بھی اپنے آپ کو ان ہنگاموں سے دُور نہ رکھ سکوں۔"

"کیوں، کیوں؟"

لیکن پرمود اس سوال کو ٹال گیا۔ اُس نے اُن واقعات کے بارے میں گفتگو چھیڑ دی جو گلبار میں دو بجے سے رونما ہونا شروع ہوتے۔

"میرا دل کہہ رہا ہے کہ ہم کامیاب ہوں گے۔" سامعہ نے کہا۔

"خدا کرے کہ ایسا ہو۔ اگر گلبار پر راجیشوائی تسلط مستحکم ہو گیا تو پھر یہ عفریت اپنا مُنہ پھیلاتا ہی رہے گا۔" پرمود نے پُرفکر انداز میں کہا۔

ایک بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے جب سامعہ نے ایک ویران سے مقام پر جیپ رُوک دی۔

"اب ہم پیدل چلتے ہوئے جنرل ہیڈ کوارٹر تک جائیں گے۔" اُس نے جیپ کا انجن بند کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن ہم یہاں کافی جلدی پہنچ گئے ہیں۔ خیر!"

وہ دونوں جیپ سے اُترے اور سامعہ، پرمود کو لے کر ایک طرف چل پڑی۔ پرمود نے ٹامی گن سنبھال رکھی تھی۔

تین چار منٹ میں وہ جنرل ہیڈ کوارٹر کے سامنے پہنچ گئے۔ جس جگہ وہ رُکے تھے وہاں تاریکی تھی اِس لیے اُن کے دیکھ لیے جانے کا امکان نہیں تھا۔

"ارے! یہاں تو کافی گہما گہمی نظر آ رہی ہے۔" سامعہ حیرت سے پلکیں جھپکا کر بولی۔

اُن کے اور جنرل ہیڈ کوارٹر کی عمارت کے درمیان میں ایک چوڑی سڑک حائل تھی۔ اِسی سڑک کی ایک سمت سے انجنوں کی کرخت آوازوں کا شور اُٹھا۔ دو موٹر سائیکلیں ایک کار کو اپنے درمیان میں لیے انتہائی تیز رفتاری سے آگے بڑھتی چلی آ رہی تھیں اُن کی ہیڈ لائٹس کی روشنی سے بچنے کے لیے پرمود اور سامعہ کو تیزی سے پیچھے ہٹ کر ایک طرف سمٹ جانا پڑا۔ دونوں موٹر سائیکلیں اور وہ کار جنرل ہیڈ کوارٹر کے احاطے میں داخل ہو گئیں۔

"اف خدا!" سامعہ کے مُنہ سے دہشت زدہ سی آواز نکلی۔

"یہ..... یہ کیا..... کمانڈر انچیف۔"

"کیا مطلب!" پرمود چونک پڑا۔

"کمانڈر انچیف کی کار..... اُس کے بونٹ پر لگا ہوا فلیگ۔" سامعہ پاگلوں کی طرح بڑبڑائی۔

یکلخت پرمود کو اپنے جسم میں بجلیاں سی دوڑتی محسوس ہونے لگیں اور پھر وہ جلدی سے بولا۔ "میں ابھی آتا ہوں۔ تم یہیں رکو!"

"کیوں! تم کہاں جا رہے تھے؟"

"میں عمارت کے قریب جا کر جائزہ لیتا ہوں۔"

"میں بھی چلتی ہوں۔"

"ہر مقام پر ضد بیکار ہوتی ہے۔" پرمود نے خشک لہجے میں کہا اور پھر تحکمانہ انداز میں بولا۔ "تم یہیں رکو گی۔"

اِس وقت سامعہ کا ذہن گھومنے سا لگا تھا۔ پرمود ایک طرف اندھیرے میں غائب ہو گیا اور وہ وہیں کھڑی رہی۔ اُس کے ذہن میں نامعلوم اور خوفناک اندیشے اُبھر رہے تھے۔

کمانڈر انچیف، کمانڈر انچیف، کمانڈر انچیف! سامعہ کے ذہن کو جھٹکے سے لگ رہے تھے۔

پرمود کوئی پانچ منٹ بعد واپس لوٹا اور کچھ کہے بغیر سامعہ کا ہاتھ پکڑ کر اُس طرف دوڑنے لگا جہاں جیپ کھڑی تھی۔

"کیا ہے، کیا ہے؟" سامعہ بڑبڑائی۔

"وہاں نظر آنے والی سرگرمیاں غیر معمولی ہیں۔" پرمود نے دوڑتے ہوئے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ انھیں تم لوگوں کے منصوبوں کی سُن گُن مل گئی ہے ورنہ کمانڈر انچیف رات کو ایک بجے یہاں نہ آتا۔ وہاں کئی کاریں موجود ہیں میرا خیال ہے کہ اُن میں سے ایک چیف آف جنرل اسٹاف کی بھی تھی۔"

"اوہ!" سامعہ کے مُنہ سے کچھ نہ نکلا۔

پرمود اُس کا ہاتھ پکڑے دوڑتا رہا اور بولا۔ "کمانڈر انچیف نے شاید باغی کمان کے سارے ہی افسروں کو طلب کر لیا ہو گا۔ اب وہ لوگ فوج کے لیے خصوصی احکامات جاری کر دیں گے۔ اب تم خود ہی سمجھ سکتی ہو کہ کیا ہو گا! اگر فوج کو باغی کمان کی طرف سے احکامات مل گئے تو وہ اپنے چھوٹے افسروں کا حکم ماننے کی بجائے باغی کمان کے احکامات کی پابند ہو جائے گی اور انقلاب کی کوششیں ناکام ہو جائیں گی۔"

"اف خدا! یہ کیا ہو گیا!" سامعہ روہانسی ہو گئی۔

"ہمت نہ ہارو سامعہ! ورنہ سب کچھ خاک ہو جائے گا۔ اب ہم ہی انقلاب کی کامیابی کے ضامن بن سکتے ہیں۔ ہم اپنی جان پر کھیل کر باغی کمان کے احکامات کو جنرل ہیڈ کوارٹر سے باہر نکلنے سے رُوکیں گے۔"

"لیکن کیسے؟" سامعہ کی آواز میں جان نہیں تھی۔

وہ دونوں جیپ کے قریب پہنچ گئے۔ پرمود اُچھل کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور انجن اسٹارٹ کرتا ہوا بولا "چلو بیٹھو!"

سامعہ اُس کے برابر بیٹھ گئی۔ جیپ ایک جھٹکے سے آگے بڑھی تھی اور اب پرمود، سامعہ کو جلدی جلدی بتا رہا تھا کہ کیا کرنا ہے!

جیپ ایک چکر لے کر سڑک پر پہنچ گئی اور پرمود نے اُسے جنرل ہیڈ کوارٹر کی طرف دوڑا دیا۔

✦

جیپ جنرل ہیڈ کوارٹر کے احاطے میں داخل ہوئی اور عمارت کے صدر دروازے پر پہنچ کر رُک گئی۔ پرمود نے ایک ہاتھ سے اُس کا اسٹیرنگ سنبھال رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ میں ٹامی گن تھی جس کا رُخ سامعہ کی طرف تھا۔

سامعہ کے چہرے پر خوف کی علامات بڑی گہری تھیں۔ اُس میں تھوڑی سی اداکاری بھی تھی لیکن بیشتر عنصر حقیقت کا شامل تھا کیونکہ حالات کے اِس خطرناک موڑ نے اُسے بھی پریشان کر دیا تھا اور شاید وہ کچھ نروس بھی ہو گئی تھی۔

پرمود اُچھل کر جیپ سے اُترا اور ٹامی گن کا رُخ بدستور سامعہ کی طرف کیے ہوئے گرج کر بولا "چلو اُترو، جلدی کرو!"

چاروں طرف سے فوجی اُن کی طرف دوڑ پڑے۔ اُن میں افسران بھی تھے اور معمولی سپاہی بھی۔

پرمود کے جسم پر ایک بڑے فوجی افسر کی وردی تھی جس کی وجہ سے وہ کم از کم فوری طور پر کسی خطرے سے دوچار نہیں ہو سکتا تھا۔ سامعہ جیپ سے اُتر آئی۔

"کمانڈر انچیف تک میری فوری رسائی بے حد ضروری ہے۔" پرمود نے ایک افسر سے کہا۔

"لیکن وہ اِس وقت کسی سے نہیں مل سکیں گے۔" جواب ملا۔

"اُن تک یہ اطلاع پہنچا دی جائے کہ میں جنرل شہرازی کی لڑکی کو گرفتار کر کے لایا ہوں اور اُس سے کئی بے حد اہم باتیں معلوم ہوئی ہیں۔"

"اوہ!"

"جلدی۔" پرمود نے اضطراب ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "اگر انھیں بعد میں پتا چلا کہ اُن تک یہ اطلاع پہنچانے میں دیر کی گئی تھی تو بے حد ناراض ہوں گے۔"

"اچھا، اچھا! اُنھیں اطلاع کرا دی جاتی ہے۔"

ایک افسر عمارت کے اندر چلا گیا۔ اُس نے جلدی میں پرمود سے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ کمانڈر کو اُس کا کیا نام بتایا جائے!

سامعہ دہشت زدہ سی کھڑی رہی اور پرمود اُس کی طرف ٹامی گن تانے کھڑا رہا۔

فوجیوں نے پرمود سے استفسارات کیے لیکن پرمود نے یہ کہہ کر بات وہیں ختم کر دی کہ وہ کمانڈر انچیف کے علاوہ اور کسی کو کچھ نہیں بتا سکتا۔

پھر وہ لوگ آپس میں باتیں کرنے لگے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کمانڈر انچیف اور ہائی کمان کے دیگر افسران کی اتنی رات گئے آمد پر حیران ہیں۔

پرمود نے اُس وقت اندھی چال چلی تھی۔ جنرل شہرازی کی لڑکی کا حوالا ایسا ہی تھا کہ شاید کمانڈر خود ہی باہر دوڑا چلا آتا یا پھر پرمود کو فوراً ہی اس تک رسائی حاصل ہو جاتی۔ پرمود دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ دوسری صورت پیش آنے یعنی کمانڈر خود ہی باہر آنے کی بجائے اُسے طلب کرے۔ اِسی میں پرمود کو اپنی کامیابی کے امکانات نظر آ رہے تھے ورنہ..... ورنہ نہ جانے کیا ہوتا!

پرمود اور سامعہ اِس وقت اپنی جان کی بازی لگا بیٹھے تھے اگر اب بھی وہ ناکام ہو جاتے تو انقلاب کا ناکام ہو جانا سامنے کی بات تھی۔ پرمود نے بے چینی سے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں دیکھا کہ ایک بج کر تیرہ منٹ ہوئے تھے۔ انقلاب کے آغاز کا وقت آنے میں ابھی پون گھنٹہ باقی تھا۔ پون گھنٹہ، ایک کٹھن منزل، ایک نازک وقت!

جنرل ہیڈ کوارٹر کی عمارت میں آج گلبار کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔ وہ اہم ترین فیصلہ جو پون گھنٹے کے اندر اندر سنایا جانے والا تھا۔ ایک تاریخ ساز فیصلہ جس پر ابھی مستقبل کا دبیز پردہ پڑا تھا۔

کمانڈر انچیف کے دونوں باڈی گارڈز اُس افسر کے ساتھ آئے جو پرمود کا پیغام لے کر کمانڈر انچیف کے پاس گیا تھا۔

پرمود کا دل خوشی سے اُچھل پڑا، جب اُسے یہ بات معلوم ہوئی کہ اُسے اور سامعہ کو فوری طور پر کمانڈر انچیف کے سامنے پیش ہونا ہے۔

کمانڈر انچیف کے دفتر میں داخل ہونے سے قبل پرمود سے کہا گیا کہ وہ اپنی ٹامی گن باہر ہی چھوڑ دے۔ پرمود یہ نہیں چاہتا تھا لیکن بادلِ ناخواستہ اُسے ایسا ہی کرنا پڑا۔ وقت جیسے اپنی جگہ پر ساکت ہو گیا تھا۔ ایک ایک ثانیہ قیامت کی گھڑی تھی۔ پرمود چاہتا تھا کہ جلد از جلد دو بج جائیں اور انقلابیوں کی جماعت، جنرل

ہیڈ کوارٹر پہنچ جائے۔

باڈی گارڈز نے سامعہ کو اپنے بیچ میں لے لیا تھا اور اس طرح وہ لوگ اندر داخل ہوئے، جس کے فوراً بعد دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا۔

کمانڈر انچیف اور چیف آف اسٹاف کے ساتھ ہائی کمان کے تمام افسر یہاں موجود تھے اور اُن کے چہروں سے پریشانی صاف عیاں تھی۔

پرمود نے فوجی انداز میں سیلوٹ کیا اور بولا "سر! یہ جنرل شیرازی کی لڑکی ہے۔"

"میں اسے جانتا ہوں۔" چیف آف اسٹاف بولا۔

اُن سب کی نظریں سامعہ پر جم گئی تھیں۔

"سر!" پرمود پھر بولا۔ "اس سے میں نے معلوم کیا ہے کہ آج رات سرخ تنظیم انقلاب لانے والی ہے۔"

"مجھے اس کی اطلاع مل چکی ہے۔" کمانڈر انچیف کی بھاری آواز کمرے میں گونجی۔ "اس کے علاوہ کیا خاص بات ہے؟"

"اس کے پاس ایک پرچہ ملا تھا۔"

"کیسا پرچہ؟" کمانڈر انچیف نے چونک کر پوچھا۔

پرمود اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ کمرے میں ایک گول میز کے گرد کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ پرمود اور سامعہ کے آنے سے قبل وہ لوگ انہی پر بیٹھے ہوں گے لیکن اس وقت وہ سب اِدھر اُدھر پھیل کر اس طرح کھڑے ہوئے تھے جیسے کوئی تماشہ دیکھنے کھڑے ہوں۔

پرمود اپنی جیب سے ایک پرچہ نکال کر تیزی سے کمانڈر انچیف کی طرف بڑھا اور قریب پہنچ کر وہ پرچہ اُس کے ہاتھ میں دے دیا۔ پرچہ تہہ کیا ہوا تھا۔ کمانڈر انچیف اُسے کھولنے لگا۔ اُس وقت سب کی نظریں اُسی کی طرف تھیں۔ سامعہ اب بھی دونوں باڈی گارڈز کے درمیان میں کھڑی ہوئی تھی اور اُس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ حالات ایسے تھے کہ کسی نے پرمود کی طرف توجہ ہی نہ دی تھی۔ سوچا ہی نہ تھا کہ وہ اُن کا ایک خطرناک دشمن بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ یہ سوچ ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ جنرل شیرازی کی لڑکی کو لے کر آیا تھا۔ سامعہ کی شناخت چیف آف اسٹاف نے کر لی تھی لہٰذا ان کی دانست میں پرمود اُن کا دشمن نہیں ہو سکتا تھا۔

کمرے میں لگی ہوئی دیوار گیر گھڑی ایک بج کر بیس منٹ کا اعلان کر رہی تھی کہ کمانڈر انچیف بھرائی ہوئی تحیر زدہ سی آواز میں گونجی۔

"ارے! یہ تو سادہ کاغذ ہے۔"

دوسرے ہی ثانیے میں پرمود اُچھل کر کمانڈر انچیف کے عقب میں پہنچ گیا۔ اُس کے دونوں ہاتھ جیبوں سے باہر آ گئے۔ پرمود نے پوری کوشش کی تھی کہ اس کے بائیں ہاتھ پر کسی کی نظر نہ پڑ سکے، کیونکہ اُس میں فاؤنٹین پین کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ دائیں ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کا رُخ دوسروں کی طرف ہو گیا اور فاؤنٹین پین کو پرمود نے کمانڈر انچیف کی کمر سے لگا دیا۔

"خبردار!" پرمود اتنے مدھم لہجے میں بولا کہ اُس کی آواز کمرے کے باہر نہ جا سکے۔ "سب لوگ اپنے ہاتھ اُوپر اٹھا دیں! مسٹر کمانڈر انچیف! تمہاری کمر پر بھی پستول کا دہانہ ہے۔ ان لوگوں کو حکم دو کہ یہ اپنے ہاتھ اُوپر اٹھا دیں۔"

یہ صورتِ حال چشمِ زدن میں پیدا ہو گئی تھی اور اُن لوگوں کے مُنہ حیرت و خوف سے پھیل گئے تھے، مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُنھوں نے پرمود کی آواز سُنی ہی نہ ہو کیونکہ اُنھوں نے اپنے ہاتھ اُوپر نہیں اُٹھائے تھے۔

سادہ کاغذ کمانڈر انچیف کے ہاتھوں سے فرش پر گر گیا۔

"کمانڈر!" پرمود نے اُس کی کمر پر فاؤنٹین پین کا دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔ "کیا تم نے سُنا نہیں میں کیا حکم دے رہا ہوں!" اور پھر پرمود کسی قدر بلند آواز میں بولا۔ "سب لوگ ہاتھ اُٹھا دیں ورنہ فائر کرتا ہوں۔"

اُسی وقت کمانڈر انچیف کمانی بھی جلدی سے بولا۔ "سب لوگ ہاتھ اُٹھا دیں!" اُس کی آواز بھرّائی ہوئی تھی۔

سامعہ چھلانگ لگا کر باڈی گارڈز کے درمیان سے نکل گئی۔ اب وہ دوسری طرف کھڑی تھی۔

"کوئی بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرے۔" پرمود نے کہا۔ "کمانڈر! تم پیچھے ہٹو!"

کمانڈر نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ اُس کے ساتھ ہی پرمود نے بھی اپنی جگہ سے حرکت کی اور دیوار سے جا لگا۔

"بس اب رُک جاؤ!" پرمود نے حکم دیا۔

کمانڈر رُک گیا۔

اب وہ پوری طرح ریوالور کی زد میں تھے اور پرمود اُن پر اچھی طرح نظر رکھ سکتا تھا۔ دونوں باڈی گارڈز بہت زیادہ مضطرب نظر آ رہے تھے۔ دوسروں کے چہروں پر بھی ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا، لیکن پرمود یہ نہ دیکھ سکا کہ کمانڈر انچیف کے چہرے پر کس قسم کے تاثرات ہیں! بس وہ اندازے ہی سے سمجھ سکتا تھا کہ اُس کی حالت بھی دوسروں

اسے مختلف نہ ہوگی۔

سامعہ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

اب اس کی آنکھوں میں نظر آنے والی مایوسی کے سائے غائب ہو چکے تھے اور اُن کی جگہ کامیابی کی اُمید کے دیئے جل اُٹھے تھے، لیکن وہ بے چین اب بھی تھی۔ اُس کی نظر بار بار دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف اُٹھ رہی تھی۔

ایک بج کر تئیس منٹ ہوئے تھے۔ انقلابیوں کی جماعت کے وہاں پہنچنے میں ابھی آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت باقی تھا۔

"تم جانتے ہو اِس کی سزا کیا ہو گی؟" کمانڈر انچیف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ہاں جانتا ہوں!" پرمود نے ہنس کر کہا۔ "اگر میں تمھاری فوج کا آدمی ہوتا تو میرا کورٹ مارشل کر دیا جاتا یا مجھے گولی مار دی جاتی لیکن افسوس اِس بات کا ہے کہ میں تمھاری فوج سے تعلق نہیں رکھتا، اِس لیے میرا کورٹ مارشل ہرگز نہ ہوتا۔ ہاں گولی ضرور ماری جاسکتی تھی لیکن وہ بھی اُس صورت میں کہ تم لوگ مجھ پر حاوی ہو جاتے اور فی الحال ایسا نہیں ہے۔

تم لوگ اِس وقت میری مٹھی میں ہو۔"

"تم کون ہو؟" چیف آف اسٹاف بولا۔

"ایک آدمی!" پرمود نے جواب دیا۔

"کیا تمھارا تعلق سرخ تنظیم سے ہے؟"

"جو چاہو سمجھ لو!"

چیف آف اسٹاف خاموش ہو گیا۔

پرمود نے محسوس کیا کہ باڈی گارڈز میں سے ایک کچھ کہنا چاہتا ہے۔ بار بار اُس کے ہونٹ کھلتے تھے اور پھر بند ہو جاتے تھے، لیکن پرمود غور سے اُس کے چہرے پر اُبھرنے والے تاثرات نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اُسے تو سبھی پر نظر رکھنا تھی۔

اگر کمانڈر انچیف کو ذرا بھی شبہ ہو جاتا کہ اس کی پیٹھ پر گڑنے والی شے پستول کی بجائے کچھ اور ہے تو شاید وہ فوراً ہی پرمود کے اُس ریوالور پر ہاتھ ڈال دیتا جس کا رخ دوسرے افسران کی طرف تھا۔

یہ اُسی کمانڈر کا ریوالور تھا جس کی وردی پرمود نے پہن رکھی تھی۔ یہ ریوالور اُس کے کوٹ کی جیب میں پڑا ہوا تھا۔

دو تین منٹ تک کمرے کی فضا میں ایک خوفناک سکوت چھایا رہا۔

باہر والوں کو معلوم ہی نہ ہو گا کہ کمرے کے اندرونی حالات کیا ہیں! اگر ان لوگوں کو کسی طرح اِس بات کا علم ہو جاتا تو پرمود کو مشکلات پیش آسکتی تھیں۔

اچانک سامعہ پرمود سے بولی۔ "اِن لوگوں کو ختم ہی کر دو!"

شاید وہ اِس بات سے بے خبر تھی کہ پرمود کے پاس ایک ہی ریوالور ہے وہ اِس وقت بڑی خطرناک حالت میں تھا۔ اگر وہ ایسی حالت میں نہ بھی ہوتا تب بھی اُن لوگوں کو مار ڈالنا کسی طرح مناسب نہ ہوتا، بلکہ خطرناک ثابت ہوتا۔ فائرنگ کی آواز کمرے کے باہر جاتی اور اُس کے بعد یہ بہت مشکل تھا کہ پرمود اور سامعہ جان بچا کر وہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہو جاتے۔

"نہیں!" پرمود نے سامعہ کی بات کے جواب میں فوراً کہا۔ "میں یہ نہیں کر سکتا۔"

"کیوں؟"

"بے وقوفی کی باتیں نہ کرو!" پرمود جھنجلا گیا۔

چیف آف اسٹاف اور دوسرے افسر کینہ توز نظروں سے سامعہ کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ گھڑی ایک بج کر ستائیس منٹ کا اعلان کر رہی تھی۔ وقت نے جیسے بڑے خوفناک انداز میں اپنی رفتار کم کر دی تھی۔ پرمود کا دھیان بار بار گھڑی کی طرف جا رہا تھا۔ کاش کسی طرح جلدی سے دو بج جائیں۔

## نام و نمود

تاریخ ایسی ہستیوں کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے جو ناموری کی خاطر جد و جہد مسلسل کرتی رہیں۔ جارج واشنگٹن اپنے نام سے پہلے القابات بہت پسند کرتے تھے۔ کولمبس نے "امیر البحر اور وائسرائے ہند" کے خطابات کی درخواست کی تھی۔ ملکہ کیتھرائن وہ خط کھولتی ہی نہ تھی جن پر "ملکہ معظمہ" نہ لکھا ہوتا تھا۔ مسز لنکن نے وائٹ ہاؤس میں مسز گرانٹ کے بغیر اجازت بیٹھنے پر اُسے بُری طرح ڈانٹ دیا تھا۔ امیر البحر بارڈ کو قطب شمالی کی مہمات کے لیے کئی کروڑ پتی تاجروں نے اِس شرط پر امداد دی کہ وہاں کے پہاڑوں کے نام اُن کے نام پر رکھے جائیں گے۔ وکٹر ہیوگو، پیرس شہر کا نام اپنے نام پر رکھوانا چاہتا تھا حتیٰ کہ شیکسپیئر جیسے عظیم ترین فنکار نے بھی شاہی نشانِ خصوصی کے حصول کو اپنی شان و شوکت میں اضافے کا موجب سمجھا۔

اچانک پرمود کو اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ بھلا اس کی کیا ضرورت تھی کہ وہ کمانڈر کی کمر سے فاؤنٹین پین لگائے کھڑا رہتا۔ یہ بھی تو کیا جا سکتا تھا کہ کمانڈر کو دھکا دے کر دوسروں کی صف میں کھڑا کر دیتا اور پھر اس کے لیے قطعی مشکل نہ تھا کہ ایک ہی ریوالور سے اُن لوگوں کو ہاتھ اُٹھائے رکھنے پر مجبور کیے رہتا۔

اپنی اس حماقت کا احساس کرتے ہی پرمود کو حیرت ہوئی اور اُس نے سوچا۔ میں نے ایسی پوزیشن کیوں اختیار کر رکھی ہے؟ میں نے اس کے بارے میں کچھ سوچا تھا اور یہی تدبیر مناسب سمجھی تھی۔ آخر کس بنیاد پر میں نے ایسا کرنا درست سمجھا تھا؟

پرمود کے ذہن کو اِس وقت یکسوئی حاصل نہیں تھی۔ وہ مختلف قسم کے خیالات میں گھر کر اِس بات کو فراموش کر بیٹھا تھا کہ اُس نے یہ تدبیر...ں اختیار کی تھی!

لیکن اِس نے جو کچھ بھی کیا تھا وہی انسب تھا۔ اگر اُن لوگوں کو علم ہو جاتا کہ اُس کے پاس ایک ہی ریوالور ہے تو اِس بات کا امکان تھا کہ وہ لوگ جان پر کھیل کر پرمود پر حملہ کر دیتے۔ یہ سوچتے کہ ایک ریوالور سے وہ چھ سے زیادہ آدمیوں کو ہلاک نہیں کر سکتا۔ لہٰذا باقی بچنے والے اُس پر حاوی آجائیں گے۔ البتہ دو ریوالوروں کی موجودگی کا احساس اُنھیں خیال دلا سکتا تھا کہ وہ سبھی ختم ہو جائیں گے۔

صورت یہ تھی کہ اُن لوگوں کو آنے والے انقلاب کا علم ہو چکا تھا۔ اُنھیں اپنے اقتدار کا خاتمہ یقینی نظر آنے لگا ہوگا۔ اِس حقیقت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے وہ اپنی جان پر کھیل سکتے تھے لیکن کامیابی کا کچھ امکان نظر آنے پر! ایک ریوالور کی موجودگی میں اُن کے لیے کامیابی کے امکانات تھے لہٰذا پرمود نے یہ تدبیر اختیار کر کے انتہائی دانشمندی کا ثبوت دیا تھا۔ پرمود کو فوراً ہی اِس کا خیال آگیا اور اُس نے اطمینان کا سانس لیا، ورنہ وہ یہ سوچ کر کسی قدر پریشان ہو گیا تھا کہ اُس سے حماقت سرزد ہوئی ہے۔

گھڑی اُس وقت ٹھیک ڈیڑھ بجا رہی تھی، لیکن ابھی تو آدھا گھنٹہ باقی تھا، ایک طویل وقفہ! کمرے میں گمبھیر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اچانک ایک باڈی گارڈ بولا۔ "سر!"

اُس کا تخاطب کمانڈر انچیف سے تھا اور یہ وہی باڈی گارڈ تھا جس کے ہونٹ بار بار کھلے اور بند ہوتے تھے۔ اُسی کے بارے میں پرمود نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔

"کیا تم مجھ سے کچھ کہہ رہے ہو؟" کمانڈر انچیف نے کہا۔

"یس سر!" باڈی گارڈ کے چہرے پر عجیب سی کیفیت تھی۔

"کیا بات ہے؟"

"آپ کی پیٹھ پر پستول نہیں ہے۔" باڈی گارڈ بڑی تیزی سے کہہ گیا۔

دوسرے ہی لمحے کمرہ ایک فائر کی آواز سے گونج گیا۔ ریوالور کی گولی باڈی گارڈ کی پیشانی پر پڑی تھی۔ وہ چیخ کر گرا لیکن اُسی لمحے پرمود کے ہاتھ پر کمانڈر انچیف کی گرفت مضبوط ہو چکی تھی۔ اور پھر کمانڈر انچیف نے انتہائی پھرتی کے ساتھ پرمود کو اپنی پیٹھ پر لاد کر فرش پر پٹخ دیا۔ پرمود چاروں خانے چت گرا تھا اور اُس کے مُنہ سے چیخ نکل گئی تھی۔ اُسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔ پرمود کے ہاتھ سے ریوالور نکل گیا تھا۔

زندگی میں پہلی مرتبہ پرمود نے اِتنی زبردست چوٹ کھائی تھی، لیکن شدید تکلیف کے باوجود اُس کے حواس غائب نہیں ہوئے۔ جب وہ گرا تھا تو اُس کے ہاتھ کمانڈر انچیف کی ٹانگوں کے پاس تھے۔ دوسرے ہی ثانیے میں پرمود نے دونوں ہاتھوں سے کمانڈر انچیف کی ٹانگیں پکڑ کر پوری قوت سے ایسا جھٹکا دیا کہ وہ چت گر پڑا۔ یہ سب کچھ چشم زدن میں ہو گیا تھا۔ پرمود نے پھرتی سے کروٹ لی اور ایک ہی چھلانگ میں وہ کمانڈر انچیف کے اُوپر تھا۔ اُس نے کمانڈر سے لپٹ کر تیزی سے کروٹ لی اور اب وہ نیچے تھا اور کمانڈر اُس کے اُوپر۔

ٹھیک اُسی وقت کمرے میں ایک فائر کی آواز گونجی۔ فائر کرنے والا دوسرا باڈی گارڈ تھا۔ نشانہ پرمود ہی کا لیا گیا تھا لیکن پرمود نے کمانڈر سمیت اتنی تیزی سے کروٹ لی تھی کہ گولی اُس کے لگنے کی بجائے کمانڈر کے جسم میں پیوست ہو گئی۔

کمرے کے باہر سے کچھ لوگ دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پرمود نے کمانڈر کی آنکھوں کو کرب کے عالم میں پھیلتے دیکھا۔ گولی اپنا اثر دکھا رہی تھی۔ اُسی وقت پھر ایک فائر ہوا۔ پرمود نے سامعہ کی چیخ بھی سُنی اور اُسے گرتے ہوئے بھی دیکھا لیکن وہ اُس کے قریب نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اُس نے اِس طرح اُٹھنا چاہا کہ کمانڈر انچیف کی لاش کو اپنی ڈھال بنائے رہے۔

کمانڈر انچیف ختم ہو چکا تھا۔ دفعتہً کمرے میں دروازہ ٹوٹنے کا شور ہوا اور پھر فوراً ہی ایک آواز کمرے میں گونجی۔ "سب لوگ اپنے ہاتھ اُوپر اُٹھا دیں!"

شاید کسی نے اس حکم کی خلاف ورزی کی تھی کیونکہ فوراً ہی ٹامی گن چلنے لگی۔ چیخیں کمرے میں گونجیں اور پھر سناٹا چھا گیا۔

کمانڈر انچیف کی لاش کو اپنے اوپر سے دھکیل کر پرمود سیدھا کھڑا ہوگیا اور اس نے بھی اپنے ہاتھ اوپر اُٹھا دیے۔ ٹوٹے ہوئے دروازے کے قریب ایک کرنل ریوالور لیے کھڑا تھا۔ اُس کے قریب ہی ایک سپاہی بھی تھا جس کے ہاتھوں میں ٹامی گن تھی۔ کمرے کے تمام افراد ہاتھ اُٹھائے کھڑے تھے اور خون میں لتھڑی ہوئی پانچ لاشیں فرش پر پڑی تھیں۔

●

اُس کرنل کو جو ریوالور ہاتھ میں لیے کھڑا تھا، یہ فرض تفویض کیا گیا تھا کہ وہ فوج کے ایک دستے کے ساتھ جنرل ہیڈکوارٹر پر قبضہ کرلے، اور وہ ذرا سی دشواری کے ساتھ اپنا فرض پورا کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ انقلاب کا پہلا قدم بالکل صحیح رخ پر اُٹھ چکا تھا۔

جنرل ہیڈکوارٹر پر قبضے کے بعد ٹینک، بکتر بند گاڑیاں اور فوج سارے شہر میں پھیل گئی۔ ریڈیو اسٹیشن کی عمارت اور شہر کے اہم ناکوں پر قبضہ کرلیا گیا۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر شہر کا کوئی مقام اور کوئی خاص عمارت ایسی نہ رہ گئی جس پر فوج کی گرفت نہ ہوئی ہو۔

کٹھ پتلی حکومت کے تمام وزراء اور دیگر اعلیٰ حکام کو اُن کی رہائش گاہوں سے گرفتار کرلیا گیا۔

فوری طور پر نئی ہائی کمان کی تشکیل بھی ہوگئی اور گلبار کی فوج کے اُن تمام افراد کو جنھیں کٹھ پتلی حکومت کے دورِ اقتدار میں پینشن دے دی گئی تھی یا برطرف کردیا گیا تھا ہائی کمان کی طرف سے یہ احکامات مل گئے کہ اُن کی ملازمتوں کو فوجی قانون کے فلاں رول کے تحت بحال کردیا گیا ہے لہٰذا وہ فوراً اپنے مستقر پر حاضر ہوجائیں۔

یہ قدم اس لیے ناگزیر سمجھا گیا تھا کہ اگر اجنبیائی فوج اس انقلاب کی راہ میں مزاحم ہونا چاہے تو اُسے سختی کے ساتھ کچلا جاسکے۔

گلبار کی فضائی اور بحری افواج کے سربراہوں کو جب اس انقلاب اور اس کی نوعیت کا علم ہوا تو انھوں نے اُسی وقت انقلابی فوج سے تعاون کا اعلان کردیا، لیکن پرمود کو ان تمام باتوں کا علم بعد میں ہوا۔ اُس رات تو وہ ملٹری اسپتال کی ایک راہداری میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا اور اسی راہداری میں بنے ہوئے ایک آپریشن روم میں سامعہ موت و زیست کے دوراہے پر کھڑی تھی۔ گولی اُس کے پیٹ پر لگی تھی اور اسپتال کے بہترین ڈاکٹر اس کا آپریشن کرنے میں مصروف تھے۔ خود اُن کے الفاظ میں یہ ایک انتہائی خطرناک آپریشن تھا اور وہ یہ بھی یقین سے نہیں کہہ سکتے تھے کہ کامیاب آپریشن ہونے کے بعد بھی سامعہ بچ سکے گی یا نہیں۔

پرمود کے دل میں اس جانباز محبِ وطن لڑکی کے لیے ہمدردی اور محبت کا طوفان موجزن تھا لیکن یہ محبت ایسی ہی تھی جو ایک بھائی کو اپنی بہن سے ہوسکتی ہے۔

جنرل ہیڈکوارٹر میں پرمود نے کرنل کو، اپنے اور سامعہ کے بارے میں بتایا تھا اور پھر بڑی پھرتی کے ساتھ سامعہ کو ملٹری اسپتال روانہ کیا جاچکا تھا۔

جنرل شیرازی پرمود کو لے کر فوراً اسپتال پہنچا لیکن وہاں پتا چلا کہ سامعہ کو آپریشن تھیٹر میں لے جایا جاچکا ہے۔

ڈاکٹروں نے جنرل شیرازی کو تسلی دی تھی اور اُس مردِ آہن نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا: ”میں اپنی بیٹی کی موت پر فخر کرسکوں گا ڈاکٹر! کیونکہ وطن کی آزادی کے حصول کے لیے بہنے والے خون کا پہلا قطرہ میری سامعہ کا تھا۔“

اور پھر جنرل شیرازی اسپتال سے چلا گیا تھا کیونکہ اُسے کئی ضروری کام سرانجام دینا تھے۔

پرمود کو ساڑھے تین بجے پتا چلا کہ سامعہ کا آپریشن کامیاب رہا ہے۔ اُس کی زندگی کی قوی اُمید ہوچلی ہے، لیکن ابھی مکمل یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ پرمود نے اِس اطلاع کو پاکر کسی قدر اطمینان محسوس کیا اور اسپتال کے بیرونی برآمدے میں آکر ایک ستون سے ٹیک کر سگریٹ سلگانے لگا۔ اُسے حیرت اِس بات پر تھی کہ آغازِ انقلاب کے لیے دو بجے کا وقت مقرر کیا گیا تھا۔ پھر انقلابی فوجی دستہ آدھے گھنٹے پہلے جنرل ہیڈکوارٹر کیسے پہنچ گیا! جنرل شیرازی سے اِس موضوع پر گفتگو نہیں ہوسکی تھی اس لیے پرمود مکمل تاریکی میں تھا۔

چھ بجے پرمود کو ڈاکٹروں سے یہ مژدہ سننے کو ملا کہ سامعہ بچ جائے گی۔

”ابھی ابھی جنرل شیرازی کا فون آیا تھا۔ انھیں بھی یہ خوشخبری دے دی گئی ہے۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”وہ آپ کو لینے کے لیے کسی آدمی کو بھیج رہے ہیں۔ شاید وہ آدمی پندرہ منٹ میں یہاں پہنچ جائے۔“

پرمود نے اپنے سر کو اثباتی حرکت دی اور پھر بولا۔ ”کیا کل دوپہر تک سامعہ سے ملاقات ہوسکے گی؟“

”کل رات تک اُمید کی جاسکتی ہے۔“

”شکریہ ڈاکٹر!“

پرمود برآمدے ہی میں کھڑا رہا۔ پھر دس منٹ گزرے ہوں گے کہ ایک چھوٹی سی کار برآمدے کے سامنے پہنچ کر رُکی اور اُس میں سے ایک نوجوان اُتر کر برآمدے کی طرف آیا۔ پرمود اُس وقت بھی اُسی فوجی وردی میں تھا۔

”کیا آپ...۔“ نوجوان قریب آکر بولا۔

"میرا نام پرمود ہے۔" پرمود نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کی وردی سے میں نے سمجھ لیا تھا۔ مجھے جنرل شیرازی نے بھیجا ہے۔"

"میں بھی سمجھ گیا تھا۔" پرمود نے مسکرا کر کہا۔

"تو پھر تشریف لائیے۔" نوجوان نے کار کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ مجھے جنرل کے پاس لے جائیں گے؟" پرمود نے اُس کے ساتھ برآمدے سے اُترتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں! وہ تو بہت مصروف ہیں۔ آپ کو تو میں اپنے گھر لے جاؤں گا جہاں آپ آرام کر سکیں گے۔"

"اوہ... اچھا!"

کالا اسپتال کے احاطے سے نکل کر فراٹے بھرنے لگی۔ سڑکوں پر فوجی گاڑیاں دندناتی پھر رہی تھیں اور فوجی جوان گشت کر رہے تھے۔ راستے میں پرمود نے اپنے ساتھی سے استفسارات کیے لیکن اُسے انقلاب کے بارے میں کوئی مفصل بات نہیں معلوم ہو سکی۔ نوجوان کا نام ابونصر تھا۔

"شاید آپ کا تعلق سُرخ تنظیم سے ہے؟" پرمود نے خیال ظاہر کیا۔

"جی ہاں!" ابونصر کا لہجہ فخریہ تھا۔

پھر اُس نے راستے میں پرمود کو یہ بھی بتایا کہ شہزادہ حیات سات بجے ریڈیو پر قوم سے خطاب کریں گے۔

ابونصر ایک چھوٹے سے خوبصورت بنگلے میں اپنی بیوی اور ایک بچے کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔

"یہ میری خواب گاہ ہے۔" ابونصر نے پرمود کو ایک کمرے میں لے جا کر کہا۔ "آپ یہاں آرام کر سکتے ہیں، بلکہ مناسب ہوگا کہ پہلے ناشتہ کر لیجیے۔ میری بیوی چند منٹ بعد آپ کو ناشتہ پہنچا دے گی۔ اور ہاں، آپ کپڑے بھی تبدیل کر سکتے ہیں۔ یہ ہے میری کپڑوں کی الماری!"

"شکریہ! میں خود بھی چاہتا تھا کہ اس وردی کے بوجھ سے نجات حاصل کر لوں۔"

"اب میں چلوں گا۔"

"کیوں، آپ اِس وقت کہاں جائیں گے؟"

"اِس وقت تنظیم کا ایک ایک آدمی مصروف ہے۔ اچھا... خدا حافظ۔"

ابونصر کے جاتے ہی پرمود نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کیا پھر کپڑوں کی الماری کھولی اور وردی اُتار کر شب خوابی کا لباس پہن لیا۔ کمرے کی مشرقی دیوار میں ایک کھڑکی تھی۔ پرمود نے اُسے کھول دیا۔ افق میں سفید لہریے جھلملانے لگے تھے۔ مملکتِ گلبار پر ایک نئی صبح کا طلوع!

کمرے میں ریڈیو سیٹ موجود تھا۔ پرمود نے اُس کا سوئچ آن کر دیا۔ سوئی مقامی ریڈیو اسٹیشن پر لگی ہوئی تھی اور اِس وقت وہاں سے فوجی دُھنیں نشر کی جا رہی تھیں۔

دستک ہوئی تو پرمود نے اُٹھ کر دروازہ کھولا۔ یہ ایک چھوٹے سے قد کی خوبصورت لڑکی تھی۔ اُسے دیکھتے ہی پرمود کو خیال آیا کہ یہ ابونصر کی بیوی ہوگی۔

"آپ ڈائننگ روم میں چلنا پسند کریں گے یا ناشتہ یہیں لایا جائے؟" وہ کھنکھناتی ہوئی آواز میں بولی۔

"مناسب ہوگا کہ یہیں آجائے۔ میں سات بجے..."

"میں سمجھ گئی!" اس نے مسکرا کر پرمود کی بات کاٹ دی۔ "آپ بیٹھیے، میں ابھی آتی ہوں۔"

ناشتے میں پرمود کے ساتھ ابونصر کی بیوی بھی شریک تھی۔ اِسی دوران میں سات بج گئے اور ریڈیو نے شہزادہ حیات کی آواز نشر کی۔ شہزادہ حیات نے اپنی تقریر میں کہا تھا۔

> گلبار کی جاں نثار فوج ملک میں انقلاب لے آئی ہے۔ اُس کٹھ پتلی حکومت کا شیرازہ بکھر چکا ہے جس نے چار سال پہلے شہنشاہِ گلبار کو قتل کر کے اقتدار حاصل کیا تھا اور اُس کٹھ پتلی حکومت کی باگ ڈور ایک پڑوسی لیکن دشمن ملک کے ہاتھ میں تھی۔ اب ہماری فوج کے نئے کمانڈر انچیف جنرل ضیاء الدین ہیں اور وہ اِس کے لیے پوری طرح تیار ہیں کہ اگر اِن حالات کو دیکھ کر ہمارے دشمنوں نے کوئی جارحانہ قدم اُٹھانے کی سعی کی تو اُن کا سر کچل دیا جائے۔ بحری اور فضائی افواج بھی اِس انقلاب کو سرزمینِ گلبار کے لیے ایک خوش آئند مستقبل کا ضامن سمجھتی ہیں۔

○

گلبار کے عوام کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا لیکن اِس بات پر انھیں انتہائی حیرت تھی کہ شہزادہ حیات کو قتل نہیں کیا جا سکا تھا اور اُن کے معاملے میں گلبار کی کٹھ پتلی حکومت دھوکا کھا گئی تھی۔ اِس انقلاب کے سلسلے میں سرخ تنظیم کے

جانبازوں اور خاص طور سے جنرل شیرازی کی وطن کے لیے بے لوث خدمات کو بہت زیادہ سراہا جا رہا تھا۔ لیکن یہ بات شروع سے آخر تک کہیں بھی نہیں آنے پائی کہ اس انقلاب میں حکومتِ بلگارنیہ نے بھی صرح تنظیم کی معاونت کی تھی۔

لیکن گلبار کی نئی حکومت کو تسلیم کرنے میں بلگارنیہ کا نام سرِ فہرست تھا۔

اُسی دن سہ پہر کو گلبار کی نئی وزارت بھی تشکیل پا گئی اور اُس کا اعلان بھی کر دیا گیا، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ صرف اعلان کیا گیا۔ اُس کی تشکیل تو انقلاب سے پہلے ہی ہو گئی تھی۔ سب کچھ پہلے ہی سے طے کر لیا گیا تھا کہ انقلاب کے بعد کیا ہونا ہے! تمام معاملوں پر اتنی خوش اسلوبی اور تیز رفتاری کے ساتھ کام کیا گیا تھا کہ گلبار میں موجود راجیشیائی فوجوں کو مزاحمت کا موقع ہی نہ مل سکا اور انھیں اُسی دن یہ حکم دے دیا گیا کہ وہ تیس گھنٹے کے اندر اندر گلبار سے نکل جائیں۔

دوسرے ہی دن صبح شہزادہ حیات کی تاجپوشی بھی عمل میں آگئی اور وہ گلبار کا بادشاہ بن گیا۔ سارے کام حیرت انگیز سرعت کے ساتھ انجام پاتے چلے جا رہے تھے اور راجیشیا کے سینے پر سانپ لوٹ رہے ہوں گے۔

پرمود کو ان ساری باتوں کا علم ریڈیو اور اخبارات سے ہوتا رہا تھا لیکن اب تک جنرل شیرازی سے ملاقات نہ ہو سکی تھی۔ پچھلی شام کو پرمود سامعہ سے ملنے اسپتال گیا تھا اور اُس وقت اُسے پتا چلا تھا کہ ذرا ہی دیر قبل جنرل شیرازی بھی وہاں تھا۔ اُس شام پرمود کو سامعہ سے زیادہ باتیں کرنے کی اجازت نہیں مل سکی تھی۔ اُس نے بس مزاج پرسی کی اور اسپتال سے چلا آیا تھا۔

ابونصر سے اُسے یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ چوبیس گھنٹے قبل انقلاب کے آغاز کا وقت دو بجے کی بجائے ڈیڑھ بجے مقرر کر دیا گیا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پرمود نے سوچا لیکن اِس "تو" کے آگے کچھ نہ سوچ سکا اس لیے نہیں کہ اُسے کوئی تاریک پہلو نظر آ گیا تھا بلکہ وہ واقعی کچھ نہ سوچ سکا۔ یہ بات کسی طرح بھی اُس کے ذہن میں نہ سما سکی کہ وہ مارا ڈالا جا سکتا! ایسے موقعوں پر قدرت نے ہمیشہ اس کی مدد کی تھی! اگر انقلاب کے آغاز کا وقت بدستور دو بجے رہتا تو بھی قدرت کسی نہ کسی طرح اُسے بچا لیتی۔ ویسے آغازِ انقلاب کے وقت کی تبدیلی کو بھی تو قدرت کی طرف سے پرمود کی مدد سمجھا جا سکتا ہے۔

اُس دن پرمود نے سفارت خانے کے ذریعے اپنے ملک کو اپنے کاموں کی مکمل رپورٹ بھیج دی۔

تیسرے پہر کو جنرل شیرازی اُس سے ملنے کے لیے خود ابونصر کے گھر آیا اور پرمود کو گرمجوشی کے ساتھ اپنے سینے سے لگا کر بولا "نوجوان! میں کس زبان سے تمھارا شکریہ ادا کروں! گلبار کے انقلاب کی کامیابی میں تمھارا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے۔ کاش تمھاری حکومت مجھے اجازت دے دیتی اور میں تمھاری تصویریں اور تمھارا کارنامہ اخبارات میں شائع کرا دیتا۔"

"میں نے کوئی بڑا کارنامہ سرانجام نہیں دیا جناب! خود قدرت نے میری رہنمائی کی تھی۔"

"جنرل ہیڈ کوارٹر میں تنہا گھس پڑنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔"

"آپ کی صاحبزادی بھی میرے ساتھ تھیں۔" پرمود مسکرایا۔

"مجھے اپنی بیٹی پر فخر ہے۔"

"مجھے اُن کی بے جگری کا اعتراف ہے لیکن معاف کیجیے گا وہ کچھ بیوقوف بھی ہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔" جنرل شیرازی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کیا تم اُس سے ملنے چلو گے؟ میں اسپتال جا رہا ہوں۔"

"چلیے! کل تو اُن سے زیادہ باتیں کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔"

"آج کے لیے ڈاکٹروں نے دس منٹ کی اجازت دی ہے۔"

جنرل شیرازی پرمود کو اپنی کار میں لے کر اسپتال کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں پرمود نے اُس کے استفسار کرنے پر بتایا کہ وہ کن کن حالات سے کس طرح گزرا تھا! جب اُس نے جنرل ہیڈ کوارٹر کے سامنے پہنچنے اور وہاں کی غیر معمولی سرگرمیوں کو دیکھ کر صورتِ حال سمجھنے کے بعد وہاں گھس پڑنے کا ذکر کیا تو جنرل شیرازی اُسے تعریفی نظروں سے دیکھنے لگا اور بولا "کم از کم میں اتنی جلدی کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکتا تھا اور پھر اتنا خطرناک فیصلہ! ذرا سی غلطی ہلاکت کا سبب بن جاتی۔"

"صاحبزادی تو نروس ہو گئی تھیں۔" پرمود مسکرایا۔

"قدرتی بات ہے۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میری بھی اُس وقت کیا حالت ہوتی!"

"لیکن جناب! میں حیران ہوں کہ انقلاب کا پروگرام اتنی رازداری سے بنایا گیا تھا تو اس کا علم ہائی کمان کو کیسے ہو گیا؟"

"ہماری انقلابی فوج کے ایک اعلیٰ افسر کی غلطی سے اُس

نے اپنی کمانڈ میں رہنے والے فوجی دستے کو قبل از وقت بتا دیا تھا کہ انھیں کیا کرنا ہوگا! یہ رات کو ساڑھے بارہ بجے کی بات ہے۔ اُس فوجی دستے میں دشمن کا ایک آدمی بھی تھا جس نے مخبری کر دی، مگر انقلاب کے وقت کے بارے میں ہائی کمان اِس لیے اندھیرے میں رہی کہ اُس افسر نے اپنے دستے کو وقت کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔"

"ہوں!" پرمود نے سر ہلایا۔ "پتا نہیں، فوج کے افسران بعض اوقات ایسی غیر ذمے دارانہ حرکت کے مرتکب کیسے ہو جاتے ہیں!"

"سرخوشی کے عالم میں ایسا بھی ہو جاتا ہے۔" جنرل شیرازی مسکرایا۔

"لیکن یہ ایک تباہ کن غلطی ثابت ہو سکتی تھی۔"

"اِس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک خوفناک غلطی تھی۔"

چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد پرمود نے کہا۔ "مجھے یہ اب تک نہیں معلوم کہ میری حکومت نے مجھے آپ کے پاس پہنچنے کی ہدایت کیوں کی تھی!"

"میں نے تمھاری حکومت سے درخواست کی تھی کہ چند اچھے جاسوسوں کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔"

"اوہ!"

"اُن میں سے دو تو میرے پاس پہنچ گئے تھے اور میں نے انھیں دو مختلف ذمے داریاں سونپ دی تھیں۔"

"میرے سپرد کیا کام ہوتا؟" پرمود نے پوچھا۔

"تقریباً وہی کام جو تم نے سرانجام دیا ہے۔"

"یعنی؟" پرمود نے پلکیں جھپکائیں۔

"میں تم سے ہائی کمان کے افسروں کی جاسوسی کراتا، اِس لیے کہ اگر وہ لوگ انقلاب کے بارے میں پتا لگا لیں تو تم مجھے اُس کی اطلاع دے سکو۔"

"خوب!" پرمود مسکرایا۔

کار ملٹری اسپتال کے احاطے میں داخل ہو رہی تھی۔

جب وہ سامعہ کے کمرے میں داخل ہوئے تو وہ بستر پر رضائی اوڑھے ہوئے چت لیٹی تھی۔ اُس کا چہرہ سُتا ہوا تھا۔ اُس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اُس نے موت سے جنگ لڑی ہے اور فتح پائی ہے۔ پرمود اور جنرل شیرازی کو دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔

"پاپا!" اُس کے مُنہ سے نکلا۔

"میری بیٹی، میری بچی!" جنرل شیرازی اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"پاپا میں آج بیحد خوش ہوں۔ نرس نے مجھے سارے حالات بتا دیے ہیں۔ پاپا اب ہمارا وطن مکمل آزادی حاصل کر چکا ہے نا!"

"ہاں! اب ہم آزاد ہیں۔" جنرل شیرازی کی آواز میں فخر و انبساط کی لہریں تھیں۔

سامعہ نے مسکرا کر پرمود کی طرف دیکھا پھر بولی۔ "تم بہت خطرناک آدمی ہو۔ تم نے کمانڈر انچیف کی کمر سے فاؤنٹین پین لگا رکھا تھا۔"

"پھر کیا کرتا، میرے پاس وہی تھا۔" پرمود نے معصومیت سے کہا اور وہ ہنس دی۔

"تم مجھے ہمیشہ یاد رہو گے۔"

"انھیں تو میں بھی ہمیشہ یاد رکھوں گا بیٹی!" جنرل شیرازی نے کہا۔ "بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے، انھوں نے!"

وہ دس منٹ تک باتیں کرتے رہے اور پھر چلتے وقت پرمود نے سامعہ سے کہا۔ "شاید یہ ہماری آخری ملاقات تھی!"

"کیوں؟"

"شاید مجھے کل صبح تک اپنی حکومت کی طرف سے واپسی کے احکامات مل جائیں۔"

"اوہ! کیا تم اِتنے دن نہیں رُک سکتے کہ میں چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤں، پھر تم کو گلبار کی سیر کراؤں گی۔"

"گلبار کی سیر پھر کبھی اگر کروں گا۔ مشکل ہی ہے جو مجھے یہاں رُکنے کی اجازت ملے۔"

"اچھا!" سامعہ کے لہجے میں مایوسی تھی۔ "تو پھر کبھی آؤ گے گلبار؟"

"اگر زندگی رہی۔"

اسپتال سے نکلنے کے بعد جنرل شیرازی اور پرمود جدا ہو گئے کیونکہ جنرل شیرازی کو کسی ضروری کام سے جانا تھا۔

پرمود ابوتصر کے گھر کی طرف چل پڑا۔ خلافِ توقع اُسے اُسی شام اپنے سفارت خانے کی طرف سے حکم مل گیا کہ وہ کل صبح تک بلگارنیہ روانہ ہو جائے۔

پرمود نے وہ رات شہر میں گھومتے ہوئے گزاری۔ وہاں کے گلی کوچے، مُرغِ تسخیر زندہ باد، جنرل شیرازی زندہ باد، گلبار زندہ باد اور شہزادہ حیات کے نام کے نعروں سے گونج رہے تھے۔